رخسانہ نگار عدنان

# ایک تھی مثال

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصلحتاً "بیٹا بہو سے لگاوٹ دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پا جاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔بشریٰ اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کر دیتا ہے۔بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کر کے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کر کے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آ رہے ہیں۔عاصمہ کو فون کے ذریعے کوئی اطلاع ملتی ہے' جسے سن کر وہ بے ہوش ہو جاتی ہے۔

فون پر پتا چلتا ہے کہ شہر آتے ہوئے عفان اور فاروق صاحب ڈکیتی کی واردات میں قتل ہو گئے۔ عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے وصول کر پاتی ہے۔زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کر رہا ہے۔

اسلام آباد سے واپسی پر عدیل دونوں مقتولین کو دیکھتا ہے۔ زاہدہ، نسیم بیگم سے بیس لاکھ روپے سے مشروط فوزیہ کی رخصتی کی بات کرتی ہیں۔ وہ سب پریشان ہو جاتے ہیں۔ عدیل بشریٰ سے ذکیہ بیگم سے تین لاکھ روپے لانے کو کہتا ہے۔

حمیدہ خالہ، عاصمہ کو سمجھاتی ہیں کہ عدت میں زبیر کا اکیلے اس کے گھر آنا مناسب نہیں ہے۔ لوگ باتیں بنا رہے ہیں جبکہ عاصمہ کی مجبوری ہے کہ گھر میں کوئی مرد نہیں۔ اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور سارے کام اس نے خود کرنے ہیں۔ وہ جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔ عاصمہ کے کہنے پر زبیر کسی مفتی سے فتویٰ لے کر آجاتا ہے کہ وہ انتہائی ضرورت کے پیش نظر گھر سے نکل سکتی ہے بشرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر آجائے، سو وہ عاصمہ کو مکان دکھانے لے جاتا ہے۔

رقم مہیا نہ ہونے کی صورت میں فوزیہ کو طلاق ہو جاتی ہے۔ نسیم بیگم جذباتی ہو کر بشریٰ اور اس کے گھر والوں کو مورد الزام ٹھہرانے لگتی ہیں۔ اسی بات پر عدیل اور بشریٰ کے درمیان خوب جھگڑا ہوتا ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو دھکا دیتا ہے۔ اس کا ابارشن ہو جاتا ہے۔ عدیل شرمندہ ہو کر معافی مانگتا ہے مگر وہ ہنوز ناراض رہتی ہے اور اسپتال سے اپنی ماں کے گھر چلی جاتی ہے۔

اسی اسپتال میں عدیل عاصمہ کو دیکھتا ہے جسے بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا ہوتا ہے۔ عاصمہ اپنے حالات سے تنگ آکر خودکشی کی کوشش کرتی ہے تاہم بچ جاتی ہے۔ نو سال بعد عاصمہ کا بھائی ہاشم پریشان ہو کر پاکستان آجاتا ہے۔ عاصمہ کے سارے معاملات دیکھتے ہوئے ہاشم کو پتا چلتا ہے کہ زبیر نے ہر جگہ فراڈ کر کے اس کے سارے راستے بند کر دیے ہیں اور اب مفرور ہے۔ بہت کوششوں کے بعد ہاشم، عاصمہ کو ایک مکان دلا پاتا ہے۔ بشریٰ اپنی واپسی الگ گھر سے مشروط کر دیتی ہے۔ دوسری صورت میں وہ علیحدگی کے لیے تیار ہے۔ عدیل سخت پریشان ہے۔

عدیل مکان کا اوپر والا پورشن بشریٰ کے لیے سیٹ کروا دیتا ہے اور کچھ دنوں بعد بشریٰ کو مجبور کرتا ہے کہ وہ فوزیہ کے لیے عمران کا رشتہ لائے۔ نسیم بیگم اور عمران کسی طور نہیں مانتے۔ عدیل اپنی بات نہ مانے جانے پر بشریٰ سے جھگڑتا ہے۔ بشریٰ بھی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتی ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو طلاق دے دیتا ہے اور مثال کو چھین لیتا ہے۔ مثال بیمار پڑ جاتی ہے۔ بشریٰ بھی حواس کھو دیتی ہے۔ عمران بہن کی حالت دیکھ کر مثال کو عدیل سے چھین کر لے آتا ہے۔ عدیل عمران پر اغوا کا پرچا کٹوا دیتا ہے۔

عاصمہ اسکول میں ملازمت کر لیتی ہے مگر گھریلو مسائل کی وجہ سے آئے دن چھٹیاں کرنے کی وجہ سے ملازمت چلی جاتی ہے۔ اچانک ہی فوزیہ کا کہیں رشتہ طے ہو جاتا ہے۔

انسپکٹر طارق دونوں فریقین کو سمجھا بجھا کر مصالحت پر آمادہ کرتے ہیں۔ ذکیہ بیگم کی خواہش ہے کہ عدیل، مثال کو لے جائے، تاکہ وہ بشریٰ کی کہیں اور شادی کر سکیں۔ دوسری طرف نسیم بیگم بھی ایسا ہی سوچے بیٹھی ہیں۔ فوزیہ کی شادی کے بعد نسیم بیگم کو اپنی جلد بازی پر پچھتاوا ہونے لگتا ہے۔

انسپکٹر طارق، ذکیہ بیگم سے فوزیہ کا رشتہ مانگتے ہیں۔ ذکیہ بیگم خوش ہو جاتی ہیں، مگر بشریٰ کو یہ بات پسند نہیں آتی۔ ایک پراسراری عورت عاصمہ کے گھر بطور کرائے دار رہنے لگتی ہے۔ وہ اپنی حرکتوں اور انداز سے جادو ٹونے والی عورت لگتی ہے۔ عاصمہ بہت مشکل سے اسے نکال پاتی ہے۔

بشریٰ کا سابقہ منگیتر احسن کمال ایک طویل عرصے بعد امریکا سے لوٹ آتا ہے۔ وہ گرین کارڈ کے لالچ میں بشریٰ سے منگنی توڑ کر نازیہ بھٹی سے شادی کر لیتا ہے، پھر شادی کے ناکام ہو جانے پر ایک بیٹے سیفی کے ساتھ دوبارہ اپنی چچی ذکیہ بیگم کے پاس آجاتا ہے اور دوبارہ شادی کا خواہش مند ہوتا ہے۔ بشریٰ تذبذب کا شکار ہو جاتی ہے۔

بالآخر وہ احسن کمال سے شادی پر رضامند ہو جاتی ہے اور سادگی سے دو گھنٹے کے اندر نکاح بھی ہو جاتا ہے۔ عاصمہ اس جادوگر عورت کو نکالنے کے بعد اپنا مکان دوبارہ کرائے پر نہیں دیتی بلکہ پڑوس میں رہنے والی سعدیہ کے ساتھ کوچنگ سینٹر کھول لیتی ہے۔ ساتھ ہی اس کے مشورے پر بی اے کے پرائیویٹ امتحان دینے کی تیاری شروع کر دیتی ہے۔

—۱۶—

## سولہویں قسط



عدیل نے چیز بھورتی نظروں سے پرسکون موڈ میں گپیں لگاتی عفت کو دیکھا۔ جو خود بھی یہ شور بھری آواز سن کر بے اختیار ٹھٹکی تھی۔

"پھر کچھ توڑ ڈالا؟ اس گھر میں تو اب چیزیں بنتی کم ہیں، برباد زیادہ ہوتی ہیں۔ یہاں کسی کو اس مزدور کے خون پسینے کی کمائی کا احساس ہو تب ناں، سب نے تو اسے کاٹھ کا الو سمجھ رکھا ہے 'لاتا جا' کماتا جا' کھلاتا جا۔ یہ اڑانے اور اجاڑنے والے بیٹھے ہیں۔" نسیم بیگم کو بولنے کا خبط ہو گیا تھا گزرتے سالوں کے ساتھ۔

"اٹھ جاؤ اب۔ دیکھ بھی لو۔ کیا ہوا ہے کچن میں۔ کون تھا وہاں پر؟" عدیل بظاہر مدھم آواز میں مگر گھرکتے لہجے میں عفت سے بولا جو ابھی بھی بظاہر کچھ پریشان سی اپنی جگہ پر ہی جمی بیٹھی تھی۔

"جاتی ہوں، جا رہی ہوں اور سب کچھ تو تیار تھا صرف ٹرالی میں رکھنا تھا پتا نہیں اس کمبخت نے کیا بیڑا غرق کیا ہے سب چیزوں کا۔" عفت بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"عفت بھابھی اچھی ہیں بھائی۔ ہے ناں۔" فوزیہ بظاہر بڑے احساس مند انداز میں بولی، جیسے بھائی کے جذبات کی بڑی فکر رہی ہو۔

"ہوں۔ اچھی ہے بہت۔" بہن کی عزت بہنوئی کے سامنے رکھنا تو ضروری تھا بلکہ زیادہ تو اپنی عزت رکھنے کو اس نے یہ چار حرفی جواب پھر رک کر دیا تھا۔

فوزیہ اور خالد ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرانے لگے۔ اس بار پورے سات سال بعد فوزیہ نے چکر لگایا تھا۔ پچھلی بار وہ تقریباً" پانچ سال کے وقفے کے بعد آئی تھی اس کے دونوں بچے دس گیارہ برس کے ہو چلے تھے۔

فوزیہ خوب فربہ ہو چکی تھی۔ بالکل کسی بھینس کی طرح جس پر خوب سونا چڑھایا گیا ہو۔

پھر اسے اپنے دیناروں، سونے کے زیورات اور قیمتی چیزوں کی نمائش کرنا بھی خوب آگیا تھا۔

پرس، جوتا، شال، لباس، میچنگ ایئر رنگز، جو بھی چیز پہنتی دکھاتی تو پہلے اسے دیناروں میں بتاتی اور پھر فوراً" کسی کیلکولیٹر کی طرح اسے پاکستانی کرنسی میں تبدیل کر کے روپوں میں بتاتی تو سامنے والا بے حد متاثر ہو جاتا۔

نسیم کے پاس بیٹھنے کا اس کے پاس زیادہ وقت نہیں ہوتا تھا۔ یوں بھی اسے اب عفت کی برائیوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

عدیل اور عفت میں انتہائی محبت تھی۔ وہ اس کے ایک اشارے پر آدھی رات کو بھی اٹھ کر کچھ بھی کرنے جا سکتا تھا، ہاں ماں کی دوا میں لانا بیس بار یاد دلانے کے باوجود بھولنا اس کی پختہ عادت بن چکی تھی۔ نسیم بولتی چلی جاتیں کہ اس گھر میں سب کی پسند کے کھانے بنتے ہیں سوائے اس بڑھیا کے۔

ہر ایک کی مرضی اور پسند کے مطابق کپڑا، لتا، جوتا۔ آتا ہے صرف ان سے ان کی خواہش نہیں پوچھی جاتی۔ کسی متروک شدہ سامان کی طرح انہیں گھر کے کونے میں ڈال دیا گیا ہے۔

"فوزیہ! تو اس بار عدیل سے ذرا کھڑک کر بات کرنا۔ اسے احساس دلانا میں ماں ہوں اس کی۔" وہ آتے ہی فوزیہ کے آگے اپنے دکھڑے روتے ہوئے بولیں۔

فوزیہ اس دوران اپنے قیمتی موبائل سیٹ پر اپنی کسی سہیلی کے میسجز کا جواب بڑے انہماک سے ٹائپ کرتی رہی۔

"سن رہی ہے ناں ماں کی بکواس؟ یا تو بھی بھائی کی طرح ایک کان سے سنتی ہے، دوسرے سے اڑا دیتی ہے۔ کچھ سنا میں نے کیا بولا ہے۔" نسیم اسے متوحش انداز میں جھنجھوڑتے ہوئے بولیں۔

فوزیہ نے ناگواری سے ماں کے جنگلی انداز کو برداشت کیا تھا۔ اس کا بے حد نازک سوٹ کندھے سے مسک نہ جائے۔ وہ ماں سے ذرا پرے ہٹ کر بیٹھ گئی۔

"کر چکی ہوں آپ کے بولنے اور بتانے سے پہلے ہی یہ سب باتیں میں بھائی سے۔ آتے ہی دیکھ لیا تھا کہ کیسے اس گھر میں صرف عفت کا راج ہے آپ کو ایک کونے میں ڈال دیا گیا ہے۔ میں نے پہلے ہی عدیل بھائی سے بول دیا ہے اور امی! آپ پریشان نہیں ہوں' اس بار جاؤں گی تو آپ کو الگ سے پیسے بھیجا کروں گی۔ اس سے آپ اپنی پسند کی چیزیں منگوالیا کریں اور جیب میں پیسہ ہو تو یہ عفت جس نے پیچھے سے کچھ نہیں دیکھا' دب کر رہے گی آپ سے۔ میں پھر بات کروں گی بھائی سے۔ آتی ہوں۔ میرے خیال میں عدیل بھائی آگئے۔" وہ ماں سے جان چھڑا کر وہاں سے بھاگ گئی۔

"آگیا ہے تو اسے یہیں لے آ میرے پاس' دو گھڑی کو تم دونوں بیٹھ جاؤ۔ ترس جاتی ہوں۔ میرے بچے بھی میرے پاس آکر بیٹھیں۔ کچھ ماں کے دکھ درد سنیں۔ کچھ اپنی کہیں اور دیکھو لوہ میری دوائیں لے کر آیا یا پھر بھول گیا۔ بیوی بچوں کی فرمائشوں کے تھیلے بھر کر لایا ہوگا۔ بوڑھی خبطی ماں کہاں یاد رہتی ہے۔"

نسیم پیچھے سے بولتی رہ جاتیں اور فوزیہ عفت کے ساتھ کھڑی ہنس ہنس کر باتیں کیے جاتی۔

دونوں میں خوب گاڑھی چھنتی تھی۔ بہت سے تحائف لے کر آئی تھی فوزیہ عفت اور اس کے دونوں بچوں کے لیے۔

مثال کے لیے وہ ایک سوٹ اور گڑیا لے کر آئی تھی' جسے دیتے ہوئے وہ خود بھی کچھ الجھی رہی تھی کہ مثال کا قد تو فوزیہ سے بھی بڑا ہو چکا تھا۔

اور وہ اسے ابھی بھی چھوٹی بچی سمجھ کر گڑیا اٹھا لائی تھی۔ یوں بھی پچھلے سال عروسہ کی سالگرہ پر اتنی گڑیاں اکٹھی ہوگئی تھیں کہ فوزیہ نے اس میں آدھی تو یہاں پاکستان میں اپنی دھاک جمانے کو قریبی رشتہ داروں کے بچوں میں "تحفتاً" دی تھیں۔ وہ مثال کی عمر کے سال بھولی نہیں تھی۔

بس یونہی لاپروائی سے وہ مثال کے لیے بھی ان ہی گڑیوں میں سے ایک اٹھا لائی۔

"پھپھو! یہ تو مجھے دے دیں۔" بارہ سال کی پریشے نے وہ گڑیا "فوراً" فوزیہ سے جھپٹ لی۔

یوں بھی مثال نے اسے لینے کے لیے ابھی ہاتھ نہیں بڑھائے تھے۔ مثال نے بے تاثر نظروں سے پریشے کو گڑیا لیتے اور خوش ہوتے دیکھا اور خاموشی سے جانے لگی۔

"ارے موڈ خراب کر کے کیوں جا رہی ہو۔ میں تمہارے لیے یہ سوٹ بھی تو لائی ہوں۔ لو۔" فوزیہ نے پیچھے سے بہت جتانے والے انداز میں آواز دی تھی۔

مثال ان ہی قدموں پہ ٹھٹک گئی مگر مڑی نہیں۔

کیونکہ وہ جانتی تھی اول تو یہ سوٹ جو اسے بہت احسان کر کے دیا جانے والا ہے' سب کا مسترد کردہ ہوگا یا اچھا بھی ہوا تو اس تک نہیں پہنچے گا۔

"کم سنتی ہے میرے خیال میں تو یہ مثال بی بی ماں کی طرح۔ بشریٰ کو بھی یہی بیماری تھی۔ مطلب کی بات فوراً" اچک لیتی' مطلب کی نہ ہو تو بہری بن جاتی۔" فوزیہ کے دل میں پرانی ناپسندیدگی نے چٹکی کاٹی تھی۔ مثال بے تاثر چہرے کے ساتھ پھوپھی کے سامنے آکر کھڑی ہوگئی۔

بلیک کلر کا جارجٹ کا سوٹ تھا' جس پر شاکنگ پنک اور سلور بہت خوبصورت چھوٹے چھوٹے پھول اور ڈیزائن تھے۔ مثال کی توقع کے برعکس سوٹ بہت خوب صورت تھا۔

"خاص میں نے اپنی پسند سے لیا ہے اپنے لیے سرخ رنگ میں اور تمہارے لیے یہ بلیک۔" وہ مثال کی آنکھوں میں پسندیدگی دیکھ کر فخریہ انداز میں بولی تھی۔ مثال نے آہستگی سے سوٹ لینے کے لیے ہاتھ بڑھائے۔

"یہ تو بہت خوب صورت کلر ہے فوزیہ اور سچ میں تو مثال کو یہ منحوس کلر کبھی نہ پہننے دوں۔ ہماری اماں بہشتی کہا کرتی تھیں۔ کنواریوں کو یہ کلر نہیں پہننا چاہیے' خدانخواستہ آگے چل کر یہ رنگ ان کی زندگی کو بھی منحوس کر دیتا ہے اور یہ تو سارا ہی بلیک ہے۔ شلوار بھی دوپٹا بھی..... رہنے دو بھئی! مثال نہیں پہنے گی یہ رنگ۔" مثال کے ہاتھوں میں پہنچنے سے پہلے سوٹ "حق دار" کے ہاتھوں میں پہنچ گیا۔

فوزیہ اس حملے کے لیے تیار نہیں تھی۔ فوری طور پر کچھ بول نہیں سکی۔

"میرے پاس ایک شوخ سا سوٹ پڑا ہے الماری میں' وہ میں اس کی جگہ مثال کو دے دوں گی۔ ٹھیک ہے نا۔" وہ جیسے فوزیہ کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے "فوراً" سے بولی۔

مثال کچھ کہے بغیر خاموشی سے جانے لگی۔

"ویسے اچھا لگتا مثال کے رنگ روپ پر اٹھتا۔ میں نے تو اس کے خیال سے لیا تھا۔" فوزیہ کو عفت کی حرکت کچھ اچھی نہیں لگی تھی۔ سرسری سے انداز میں بولی۔

"تو تم دے دو اس کو۔ میں نے تو اس کے بھلے کو لیا تھا۔" عفت "فوراً" ناگواری سے بولی۔

"ارے نہیں۔ میں کوئی اور دلا دوں گی مثال کو۔ تم رکھو یہ۔" فوزیہ "فوراً" سنبھل کر بولی۔

اب اتنے سارے دن تو اسے یہیں رہنا تھا۔ عفت سے تعلقات میں معمولی بگاڑ بھی وہ نہیں چاہتی تھی۔

مثال باہر چلی گئی۔ باہر اس کے کرنے کو بے شمار کام تھے۔ اس کے کندھے ابھی سے بغیر کوئی کام کیے جیسے دکھنے لگے تھے۔

"آج تیرہ تاریخ ہے۔ دو دن بعد مما کے پاس۔ اور وہاں بھی اسی طرح نہ موجود ہونے کا احساس اور بے شمار کام۔"

تھک کر ایک طرف بیٹھ گئی۔

"اس گھر میں کسی کمبخت کو یاد ہے کہ اس بڑھیا کو بھی کچھ کھانے کو دینا ہے۔ صبح سے چائے کے ساتھ ایک سوکھا توس کھلا رکھا ہے۔ اس کے بعد مجال ہے جو کسی مردود کو خیال بھی آیا ہو کہ اس مریضہ کو بھی کچھ کھانے' پینے کی ضرورت ہوگی۔ مر گئے سارے کہیں پر۔ کوئی میری بکواس سنتا ہے یا نہیں۔"

نسیم ایک دم پوری طاقت لگا کر چیخنے لگی تھیں۔

انہیں ہر دو گھنٹے بعد کچھ نہ کچھ کھانے کو چاہیے ہوتا تھا اور کھانے کے بعد خود بھی بھول جایا کرتی تھیں کہ کب کیا کھایا تھا۔

مثال تھکے تھکے قدموں سے اٹھ کر کچن میں آگئی۔

ظاہر ہے عفت اور فوزیہ میں سے تو کسی نے نسیم کی یہ تقریر سنی بھی نہیں ہوگی۔ سنی بھی ہوگی ان سنی کر دی ہوگی۔

وہ نسیم کے لیے سوپ گرم کرنے لگی۔

"تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آؤ گی؟" پیچھے سے عفت آکر بجلی کی طرح اس کے سر پہ کڑکی تھی۔

مثال حیرت زدہ سی کھڑی رہ گئی۔

"کیسے شکل پر بارہ بجائے نحوست پھیلائے پھرتی ہو' ذرا سا سوٹ کیا لے لیا۔ ایسی شکل بنالی جیسے ہمیشہ ہی تم سے اس گھر میں ایسا سلوک کیا جاتا ہے' کچھ نہیں دیا جاتا۔ یہی ظاہر کرنا چاہ رہی تھیں نا تم؟" وہ جانتی تھی' عفت اس طرح آکر اسی پر چڑھ دوڑے گی۔

لیکن اس بار اس نے حتیٰ الامکان کوشش کی تھی کہ اپنے چہرے کے تاثرات نارمل رکھے مگر پھر بھی..... یہ جرم بھی اس کے کھاتے میں آ ہی گیا۔

"کیا بہتر نہیں ہوگا مہمانوں کے سامنے آپ مجھ سے یوں بلاوجہ میں نہ الجھیں۔ میں کچھ کہہ دوں گی تو آپ ہسٹریائی مریضوں کی طرح چیخنے چلانے لگیں گی۔" وہ کھولتے سوپ کو دیکھتے ہوئے سرد لہجے میں بولی۔ عفت کو تو جیسے ہزار والٹ کا کرنٹ لگا۔

مثال بہت کم بولتی تھی بلکہ کبھی کبھی تو پورا دن کچھ نہیں بولتی تھی۔ عفت اس پر چیختی چلاتی۔ سارے گھر کا کام کروانے کے باوجود کسی نہ کسی بات پر یہ برہم ہوتی رہتی مگر وہ جواب میں خاموش رہتی اور آج۔۔۔

"کیا میں مریضہ ہوں ہسٹریا کی مریضہ؟ پاگل ہوں چیختی چلاتی ہوں۔ تم نے یہ بکواس کی ابھی۔" وہ جیسے غصے میں پاگل ہی تو ہو گئی۔

"پریشے کل اپنا ڈول ہاوس ٹوٹ جانے پر اسی طرح چیخ چلا رہی تھی جب فوزیہ پھپھو نے کہا تھا کہیں اسے دورے تو نہیں پڑتے۔۔۔ آپ اس طرح چیخیں گی تو سوچ لیں۔ آپ کے بارے میں ان کے خیالات کیسے ہو سکتے ہیں آگے آپ کی مرضی۔۔۔ دادو کو کر سوپ دے کر آتی ہوں۔" عفت تو جیسے کھڑے کھڑے پتھر کی ہو گئی تھی۔

یہ وہ مثال تو نہیں تھی، جو اتنے سالوں سے بے دام کی غلام بنی گونگی بہری بس کام کیے جاتی تھی۔ کبھی پلٹ کر جواب نہیں دیتی تھی۔۔۔ یہ تو۔۔۔

"کمینی کو ایک کالا سوٹ لے لینے کا اتنا صدمہ لگا ہے کہ مجھ سے زبان چلانے لگی ہے مگر یہ پریشے کے بارے میں کیا بکواس کر کے گئی ہے۔ اللہ نہ کرے میری بچی میں ایسا کوئی عیب ہو یا کوئی اس کے بارے میں ایسی بات کرے۔ فوزیہ تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔"

عفت پریشان سی ہو گئی۔

"ضرور اسی کمینی نے یہ بات اپنے دل سے گھڑی ہے صرف میرا جی جلانے کو۔"

وہ بے قرار سی سارے گھر میں ٹہلنے لگی۔

"جلتی ہے یہ پریشے سے، میری بیٹی پریوں جیسی ہے جو اسے دیکھتا ہے اسی کو دیکھتا رہتا ہے۔ یہ مثال کسی کو کیا نظر آئے گی۔ اسی کی جلن نکال رہی ہوگی۔ فوزیہ لٹو جو ہو گئی ہے پریشے پر۔ ابھی سے مذاق مذاق میں اپنے فیصل کے لیے مانگ رہی تھی۔۔ بس اسی دم جل بھن گئی ہوگی چڑیل ماں کی بیٹی۔۔" عفت کا غصہ کم نہیں ہو رہا تھا۔

اور جو فوزیہ اور خالد کی آمد کے دن شام کی چائے میں اس گھٹیا لڑکی نے عفت کی شادی کا سب سے قیمتی ٹی سیٹ توڑ ڈالا تھا۔

جب عفت کچن میں آئی تو ٹرے پورے سیٹ کے ساتھ زمین بوس ہو چکی تھی۔

سارے ہی برتن چکنا چور تھے اور مثال نیچے بیٹھی کرچیاں اٹھا رہی تھی۔

عفت نے پیچھے سے اسے دو ہتھڑ مارے تو وہ انہیں کرچیوں کے اوپر جا گری۔ اس کے ہاتھ زخمی ہو گئے۔

اور جیسے ہی عدیل بھی عفت کے پیچھے آیا۔ وہ فوراً" وہیں زمین پر بیٹھ کر مثال کے ہاتھوں میں خون کے ساتھ چپکی کرچیاں دیکھنے لگی تھی۔

"میں نے تو کہا ہماری بچی کا صدقہ گیا، جو یہ چار برتن ٹوٹ گئے۔ میں تو عدیل ڈر گئی تھی کہ کہیں خدانخواستہ اس کو کہیں چوٹ نہ لگ گئی ہو اور دیکھیں! پھر بھی اس نے ہاتھ زخمی کر لیے۔ درد تو نہیں ہو رہا۔"

وہ بہت حساس لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

مثال اس کے یوں گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے اور اس کے اتنے سارے روپ، بہروپ دیکھنے کی عادی ہو چکی تھی۔

"نہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔" وہ دردو سہتی آہستگی سے کہہ کر ٹونٹی کے نیچے خون رستے ہاتھوں کو رکھ کر بیٹھنے لگی۔



عدیل اسے دیکھے جا رہا تھا۔

"چلو، میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے جاتا ہوں مثال! آؤ میرے ساتھ۔" کوئی ایسا لمحہ بھی ہوتا تھا، جب عدیل اس کی فکر میں بہت سال پہلے والا باپ بن جایا کرتا تھا۔

"نو پاپا! اس کی ضرورت نہیں۔ میں ٹھیک ہوں بالکل۔" وہ اسی طرف رخ کیے حلق میں گھلتے نمکین پانیوں کو پیتی ہوئی بظاہر بڑے ٹھہرے لہجے میں بولی۔

"عدیل! آپ جا کر مہمانوں کے پاس بیٹھیں۔ کیا سوچیں گے خالد بھائی۔ ہم دونوں ہی اندر آ گئے ہیں۔ میں چائے سرو کروں تو پھر خود اسے ڈاکٹر کے پاس لے جاتی ہوں۔ آپ پلیز مہمانوں کے پاس جا کر بیٹھیں۔"

عفت فوراً" عدیل کو احساس دلاتے ہوئے بولی تو وہ سر ہلا کر وہاں سے چلا گیا۔ عفت نفرت بھری نظروں سے مثال کو دیکھتے ہوئے بڑبڑاتے ہوئے چائے کا پانی پھر سے رکھنے لگی۔

پریشے اور دانی یہ دو اضافے تھے، جو اس کے باپ کے گھر میں آئے۔

جن کے آتے ہی اس کی اہمیت جو عفت پہلے ہی مختلف طریقوں سے کم کرتی چلی گئی تھی اور بھی کم ہوتی گئی۔

پریشے یوں بھی اتنی خوب صورت، اتنی دودھیا سفید صحت مند بچی تھی کہ وہ فوراً" ہی ہر کسی کی توجہ کھینچ لیتی۔

خود مثال کی کوشش ہوتی وہ جو پندرہ دن یہاں رہے، اسکول سے آنے کے بعد سارا وقت صرف پریشے کے گرد منڈلائے۔

جب پریشے چھوٹی تھی تو عفت اسے مثال کو نہیں پکڑاتی تھی۔ ہاتھ لگانے پر بھی جھڑک کر روک دیتی کہ اس کے گندے ہاتھوں سے جراثیم بچی کو لگ جائیں گے۔

عدیل بھی آفس سے آنے کے بعد سارا وقت پریشے میں ہی لگا رہتا۔ وہ دادی کی بھی لاڈلی تھی۔

بالکل ویسے جیسے کبھی مثال ہوا کرتی تھی۔

کبھی کبھی پریشے کو بھی سب کی محبتوں کا مرکز بنے دیکھ کر اس کے دل میں بہت جلن ہوتی۔ آنکھوں میں کچھ نہ چبھنے کے باوجود نمی آ جاتی۔ اس کا جی چاہتا۔ وہ پریشے کو کہیں چھپا دے۔

کئی بار اس نیت سے اس کے پاس جاتی مگر پھر اس کی موہنی صورت دیکھ کر بے اختیار اسے پیار کرنے لگتی۔

جیسے ہی مثال کچھ بڑی ہوئی، پریشے اس کی ذمہ داری بنتی چلی گئی۔

یوں بھی دانیال اس گھر کا دوسرا خوب صورت اور بہت دیر کا خدا سے مانگا ہوا اضافہ تھا۔

دانی نے ماں اور باپ کو خود میں مصروف کر لیا۔

پریشے کی اہمیت کم تو نہیں ہوئی لیکن دانیال تو سب کی آنکھ کا تارا تھا، خود پریشے کا بھی۔

مثال کو بھی وہ اچھا لگتا، مگر پریشے پر اسے زیادہ پیار آتا تھا۔ پریشے کو سنبھالنے کی ذمہ داری اس کے سپرد ہوئی۔

پھر برتن دھونے کی۔ پھر ڈسٹنگ اور گھر کا پھیلاوا سمیٹنے کی۔۔۔

پھر ایک کے بعد دوسرا کام خود بخود مثال کے ذمے ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ عفت کوکنگ میں بھی اس سے خوب کام کروانے لگی، لیکن سب کے سامنے یہی کہا جاتا۔ "میں اسے اس لیے ساتھ لگائے رکھتی ہوں کہ پرائی بچی ہے نظروں کے سامنے رہے۔ کل کوئی اونچ نیچ ہو گئی خدانخواستہ تو اس کی ماں آ کر تو مجھے پکڑے گی نا۔"

اور عدیل نے کبھی بھی عفت کو پرائی بچی کہنے پر نہیں ٹوکا۔ وہ باپ کے چہرے کی طرف دیکھتی رہتی۔

یوں لگتا جیسے وہ خود بھی دل سے اسے پرائی بچی تسلیم کر چکا ہے۔ پریشے بھی اس سے پیار تو کرتی تھی، مگر جب اس کا اپنا دل ایسی خواہش کرتا۔

یوں بھی کوئی پندرہ دن کے لیے کسی سے جی لگائے اور پندرہ دن کے لیے اجنبی بن جائے۔ اس کی زندگی اس

بٹوارے سے بہت عجیب تر ہو گئی تھی۔
وہ کوئی بھی کام جم کر‘ دل لگا کر کر ہی نہیں پاتی تھی۔
اسکول بشریٰ کے گھر سے قریب تھا تو عدیل کے گھر سے دور!
اکثر ہی اس بات کو بہانہ بنا کر عفت اس کی چھٹی کروالیا کرتی تھی۔ پھر اکثر رنج‘ دکھ اور پریشانی میں اس کی کوئی نہ کوئی ضروری چیز کبھی بشریٰ کے گھر رہ جاتی تو کبھی عدیل کے۔۔۔
کوئی ٹیسٹ کاپی‘ کوئی نوٹس فائل‘ کبھی کوئی ضروری کتاب۔ آہستہ آہستہ اس کا پڑھائی سے بھی دل اچاٹ ہوتا جارہا تھا۔
وہ ہر چیز‘ ہر معاملے میں اکھڑی اکھڑی رہتی تھی۔
کوئی بھی اس سے وہ کام نہ کہتا جو کچھ دنوں میں مکمل ہونا ہوتا کیونکہ اگلے ہفتے تو وہ چلی جاتی۔
وہ خود بھی پر اعتماد نہ رہی تھی اور دوسرے بھی اس پر جی سے بھروسا نہ کرتے تھے۔
مثال تو سب کے لیے ایک مثال ہی بنتی جارہی تھی۔
اس کے اکھڑے اکھڑے رویے کے سبب کوئی بھی اس سے خوش نہیں تھا۔ وہ خود بھی کسی سے خوش نہیں تھی۔ کسی کے ساتھ کسی جگہ پہ اس کا دل نہیں لگتا تھا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی یہ جگہ‘ یہ لوگ۔۔۔ عارضی ہیں۔ اسے چاہتے ہوئے نہ چاہتے ہوئے ٹھیک پندرہ دن بعد یہاں سے چلے جانا ہوتا تھا۔
وہ پڑھائی میں واجبی سی رہ گئی تھی۔ بس نارمل نمبروں کے ساتھ بمشکل پاس ہو کر اگلی کلاس میں چلی جاتی۔
بشریٰ نے شروع میں اس کے یوں گریڈ ز گرنے کا غم کھایا پھر جیسے اسے اس کے حال پہ چھوڑ کر اپنی نئی زندگی نئی دنیا میں مگن ہو گئی۔
وہاں اس کے لیے بھی ایک دوسری مثال آئینہ موجود تھی۔ احسن کمال‘ بشریٰ اور سیفی کی آنکھوں کا تارہ۔ آئینہ۔
جس کے آتے ہی اس گھر میں پہلے سے نظرانداز مثال کو بالکل جیسے بھلا دیا گیا تھا۔
پتا نہیں کیوں کوشش کے باوجود بشریٰ کے اکسانے پر بھی اس کو یہ عام سے نقوش والی کمزور سی بچی پہ بالکل بھی پیار نہیں آیا تھا۔
شاید اسے آئینہ سے انسیت ہو بھی جاتی مگر سیفی اسے آئینہ کے قریب نہیں پھٹکنے دیتا تھا۔
وہ بہت خود پسند‘ ضدی‘ جھگڑالو اور لڑاکا تھا۔
مثال سے اسے خاص ضد اور چڑ سی تھی۔ وہ اس کو جھڑکنے‘ ذلیل کرنے کے بہانے ڈھونڈتا تھا۔
وہ لاؤنج سے گزرتی‘ آئینہ رو رہی ہوتی اپنی کاٹ میں پڑی۔ سیفی وہیں سے شور مچا دیتا کہ مثال نے آئینہ کو مارا ہے۔ اگر احسن کمال گھر پر ہوتا تو وہ جن خاموش‘ سرد‘ بے مہر نظروں سے اسے گھورتا۔ مثال کی وہیں جان نکل جاتی۔
وہ اس درجہ گھبرا جاتی کہ اپنے دفاع کے لیے ایک لفظ بھی بول نہیں پاتی تھی۔ بس ہاتھ مسلتی ہوئی تھر تھر کانپنے جاتی۔
بشریٰ شروع میں اس کی حالت پر پریشان ہو کر اس کا دفاع کرنے کی کوشش کرتی مگر پھر وہ بھی جیسے مثال کی غلطی جان کر اسے ڈپٹنے لگتی۔
نتیجتاً مثال آئینہ سے دور ہوتی چلی گئی۔
اس عام سی شکل صورت کی بچی سے اسے کوئی رغبت نہیں تھی۔ ہاں جب گھر میں کوئی نہیں ہوتا تھا اور ایسا



بہت کم ہوتا تھا جب مثال کے اسکول میں آف ہوتا اور سیفی گھر پر نہیں ہوتا تھا تو بشریٰ پہلے کی طرح اسے ساتھ لپٹا کر پیار کرتی۔ اس سے باتیں تو بہت کم کرتی‘ مگر اسے سننے کی خواہش مند ہوتی۔
مگر مثال تو جیسے ماں سے بات کرنا بھی بھول چکی تھی۔
اب تو اسے بشریٰ کا یہ پیار بھی مصنوعی اور جھوٹا سا لگتا۔ وہ بس سر جھکائے ماں کے پاس خاموش بیٹھی رہتی منتظر کہ کب بشریٰ کو اپنے گھر کے بہت سے ادھورے کام یاد آتے ہیں اور وہ خود ہی اٹھ کر اس کے پاس سے چلی جائے۔
اسے تو اب عدیل کی قربت سے بھی عجیب وحشت ہوتی تھی۔ اس قربت میں بھی اتنی بیگانگی‘ اتنی اجنبیت ہوتی تھی کہ وہ کھل کر اپنی کسی بھی خواہش کا اظہار کرنا بھول گئی تھی۔
فرمائش کرنا اسے بھول چکا تھا۔ اب تو وہ بہت ضرورت کی چیز بھی یہ سوچ کر کہ کل ماما کے پاس جاؤں گی تو ان کو کہہ دوں گی۔
اور وہاں جا کر اگلے کئی دنوں تک اسے بشریٰ کا موڈ دیکھنا پڑتا کہ اس سے یہ فرمائش کی بھی جائے یا نہیں۔
اور اکثر ہی وہ کچھ نہ کہہ پاتی اور یہ سوچ کر باپ کے گھر آجاتی کہ پاپا سے بات کرنے میں زیادہ سہولت ہے۔ ان سے کہہ دے گی۔ وہ جھٹ پٹ لا دیں گے‘ مگر جانے ان دونوں انتہائی قریبی رشتوں کے بیچ کتنی بڑی بڑی دیواریں اٹھ آئی تھیں کہ وہ دونوں کے سامنے اپنا کوئی تقاضا بھی نہ رکھ پاتی۔
وہ دونوں ہی اپنی نئی گھرداری میں الجھ کر رہ گئے تھے۔
مثال کہیں بہت پیچھے ان کے ماضی کا وہ حصہ بن کر رہ گئی تھی‘ جسے سوچنے سے دونوں کتراتے تھے کہ کہیں ان کے شریک سفر کو ان کی خلوص بھری رفاقت پر شک نہ ہو جائے اور ان کے گھروں میں بدمزگی نہ ہو جائے اور مثال ....وہ دونوں کے دن بدن بدلتے مزاجوں سے جیسے سہم سی گئی تھی۔
اس کے گرمیوں سردیوں کے کپڑے پہلے چھوٹے پھر بے حد چھوٹے ہوتے چلے گئے۔ پہلے پہل بشریٰ کو خیال آجاتا تھا۔ وہ اپنی سیفی اور آئینہ کی شاپنگ کے ساتھ کچھ نہ کچھ اس کا بھی لے ہی آتی تھی‘ مگر پھر جانے کب اور کیسے وہ یہ بات فراموش کرتی چلی گئی۔ آئینہ کے بیمار ہونے پر کچھ ماہ احسن کمال گھر کی شاپنگ سیفی کے ساتھ کرنے لگے اور اس لسٹ میں مثال کی چیزیں اگر کہیں ہوتی بھی تھیں تو اکثر ”بھول گئے بھئی“ کی نذر ہو جاتی۔ عدیل بھی پریشے‘ دانی اور عفت میں تقسیم ہو چکا تھا۔ اسے مثال نظر بھی آتی تھی تو وہ سرسری سا مسکرا کر حال چال پوچھ کر یا ”مثال بیٹا! کچھ چاہیے تو نہیں۔“
”سب کچھ موجود ہے مثال کے پاس۔ اپنی اور اپنے بچوں کی ضرورتوں سے پہلے میں مثال کا سب کچھ پورا کرتی ہوں۔ سوتیلی نہ سمجھئے گا آپ مجھے۔“ عفت کو جانے کیسے خبر ہو جاتی کہ عدیل اس سے ضرور کچھ ایسا پوچھے گا۔ فوراً پیچھے سے آکر بول پڑتی۔
”ہاں مجھے پتا ہے تم مثال کا کتنا خیال رکھتی ہو۔ میں نے تو یونہی پوچھا تھا۔ مثال! اسٹڈیز کیسی جارہی ہیں بیٹا! اگر ٹیوشن کی ضرورت ہو تو مجھے بتا دینا۔ میں کسی ٹیوٹر کا یا کوچنگ سینٹر کا بندوبست کروا دوں گا۔“ اب اچھا موڈ عدیل کا خال خال ہی ہوتا تھا۔
”پندرہ دن کے لیے بھلا کون سا ٹیوٹر لگے گا۔ وہ یہاں پندرہ دن ہی رہتی ہے۔ پندرہ دن بعد اتنی دور کون جائے گا اسے پڑھانے۔“ عفت جل کر بڑے مدبرانہ انداز میں جتا کر کہتی۔
اس پر عدیل ایک دم چپ کر جاتا۔
”پاپا! آپ سے ایک بات کہوں؟“ اس رات وہ اسٹڈی میں اکیلا بیٹھا اپنے آفس کا کچھ کام کر رہا تھا۔ جب وہ

آہستگی سے اس کے پاس آکر بولی۔ عفت دانی کو سلاتے سلاتے خود بھی سو چکی تھی۔ پریشے دادی کے ساتھ لیٹی تھی۔ مثال باپ کے پاس آگئی۔

"بولو میری جان! کچھ چاہیے؟" عدیل شفقت بھرے لہجے میں بولا۔ اس نے بہت دنوں بعد اسے نظر بھر کر دیکھا تھا۔

"یہ آپ نے پریشے کے کپڑے پہن رکھے ہیں؟" وہ اس کی طرف دیکھ کر پوچھنے لگا۔

مثال نے جلدی سے خود کو دیکھا۔

تیرہ سال کی عمر میں نکلتے قد کے ساتھ اس کے تین چار سال پرانے کپڑے، بہت چھوٹے ہو رہے تھے۔

"نہیں پاپا! میرے ہیں۔" وہ جلدی سے قمیص کو کچھ کھینچ کر بولی۔

"ہوں!" عدیل کچھ سوچنے لگا۔

"کیا کہہ رہی تھیں آپ؟" اسے خیال آیا تو پوچھنے لگا۔

"پاپا! اگر میں یہیں رہ جاؤں۔ آئی مین فل منتھ۔ سارا مہینہ آپ کے پاس یہاں رہوں۔ میں مما سے کبھی کبھی ملنے چلی جایا کروں گی۔ مجھے آپ کے پاس رہنا اچھا لگتا ہے۔" وہ بہت ڈر ڈر کر اٹک اٹک کر بولی تھی۔

عدیل کو کچھ رنج سا ہوا کہ مثال واقعی وہ نہیں رہی تھی جیسی ان دونوں کے ساتھ تھی۔ صحت مند، پُراعتماد، شوخ اور ہر بات منہ پہ کہہ دینے والی یہ وہ مثال تو نہ تھی۔

"آپ کو وہاں کوئی مسئلہ ہے جان؟" وہ سنجیدگی سے بولا۔

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"ممی آپ کو توجہ نہیں دیتیں؟"

وہ کچھ نہیں بولی۔

عدیل خاموش اسے دیکھتے ہوئے کچھ سوچتا رہا پھر گہری سانس لے کر یونہی سر ہلانے لگا۔

"میں آپ کی مما کو کال کروں گا کہ وہ آپ کا خیال رکھا کریں اور میں آپ کو مستقل یہیں رکھنے کی بات بھی کروں گا۔ اگر وہ مان گئیں تو آپ یہیں رہیں گی۔ مجھے اس بات کی خوشی ہوگی۔" عدیل رک رک کر بولتے ہوئے اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات کو نوٹس کر رہا تھا۔

اس کا مرجھایا ہوا چہرہ ایک دم سے کھل اٹھا تھا۔

"پاپا! آپ بات کریں گے سچ۔ میں ماما سے یہ کہیں گے کہ وہ مجھے یہیں آپ کے پاس رہنے دیں۔" وہ بے یقین سی باپ کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر دو زانوں بیٹھتے ہوئے بولی۔

"کیوں نہیں کروں گا بیٹا! ہماری یہی بات طے ہوئی تھی کہ جو کچھ بھی ہوگا۔ مثال کی خوشی اور مرضی سے ہوگا اگر آپ کی خواہش یہی ہے تو مجھے اس کی خوشی ہے۔ میں ایک دو دن میں آپ کی مما کو کال کرتا ہوں۔"

"پاپا۔۔۔ ایکچولی بار بار کبھی ادھر کبھی ادھر۔۔۔ میں بہت ڈسٹرب ہوتی ہوں۔ ابھی میں نے لاسٹ ویک اپنے انگلش کے "ورک شیٹ" لکھے تھے مگر نوٹ بک مما کی طرف رہ گئی اور ٹیچر نے مجھے سارا دن پنشمنٹ (سزا) میں کھڑا رکھا۔ ان کے نزدیک میں ہر وقت یہی ایکسکیوز کرتی ہوں کہ مما کے گھر رہ گئی نوٹ بک یا پاپا کے گھر۔۔۔ اور پاپا!"

بولتے ہوئے اس کی آواز میں نمی سی گھل گئی۔

"بچے میرا مذاق بھی اڑاتے ہیں کہ ماما پاپا کے گھر الگ الگ کیسے ہو سکتے ہیں۔ اگر تمہارے پیرنٹس میں سپریشن بھی ہو چکی ہے تو بھی تم ایک ہی کے پاس رہتی ہو گی یا آدھی آدھی دونوں طرف۔" اس کی آنکھوں میں جمع ہونے والے آنسو بہہ نکلے۔



عدیل کے دل پر جیسے گھونسا سا پڑا۔

"میرا بچہ۔" وہ بے اختیار اس کو ساتھ لگا کر اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے اس کی تکلیف سے نظریں چرانے لگا، جو اس بچی کو اپنے ماں باپ کے جذباتی پن کی وجہ سے پہنچی تھی۔

"آپ بات کریں گے نا مما سے؟" وہ خود ہی سنبھل کر آنکھیں رگڑتے ہوئے سرخ چہرے کے ساتھ بولی۔

عدیل اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔

"تھینک یو پاپا۔۔۔ ہر پندرہ دن بعد یہاں وہاں جانا۔۔۔ بہت انسلٹنگ لگتا ہے۔" وہ پھر سے نظریں جھکا کر لرزتی پلکوں کے ساتھ نم لہجے میں بولی۔

عدیل تڑپ کر رہ گیا۔ اتنی چھوٹی سی عمر میں وہ کتنے بڑے بڑے احساسات کی بھٹی سے صرف اپنے پیدا کرنے والوں کی وجہ سے گزر رہی تھی۔

"تم اب جا کر ریسٹ کرو۔ صبح اسکول بھی جانا ہوگا۔"

وہ مزید مثال کا سامنا نہیں کر سکتا تھا۔ نرمی سے بولا۔

وہ خاموشی سے چلی گئی اور عدیل اس رات بہت دیر تک جاگتا رہا۔

☼ ☼ ☼

"دماغ تو نہیں خراب ہو گیا آپ کا عدیل! اول تو اس کی ماں کبھی نہیں مانے گی، پھر میں ماں ہو کر اس کی بچی کو اس سے چھین لوں۔ یہ میں کبھی نہیں کر سکتی اور پھر دیکھیں! یہ جو ایج ہے نا تھرٹین سے ایٹین کے درمیان۔ مثال کو جتنا اچھا اس کی اپنی ماں سمجھ سکتی ہے، میں لاکھ چاہوں تو ایسا نہیں کر سکتی۔ اپنی ماں تو اپنی ماں ہوتی ہے۔ لاکھ سوتیلی مائیں سگی بننے کی کوشش کریں۔"

عفت عدیل کے منہ سے سب سنتے ہی جیسے بھڑک اٹھی۔ عدیل لمحہ بھر کو کچھ بول ہی نہیں سکا۔

"آپ کا دل چاہتا ہے تو سو بار بشریٰ سے بات کریں، لیکن میں سمجھتی ہوں وہ اس بات کے لیے نہیں مانے گی۔ یوں بھی عدیل اس کی ساری ذمہ داری آپ پر آجائے گی۔ اس کی ماں جان چھڑا کر پیچھے ہو جائے گی۔ کل کلاں کو اس کی شادی ہو گی۔ رشتے کا معاملہ، جہیز کا معاملہ اور خدانخواستہ کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو اس وقت یہی بشریٰ واویلا کرتی آجائے گی کہ باپ نے ظلم کیا اس کی بچی کی زندگی خراب کر دی۔ آپ سوچ لیں اچھی طرح۔ ایک جذباتی غلطی کے بعد دوسری کو نہ دہرائیں۔ مثال کو ان باتوں کی کیا سمجھ۔ اسے تو یہاں سکون اور سکھ ہے میں تو اسے ہل کر پانی نہیں پینے دیتی۔ اس دن مجھ سے کہہ رہی تھی کہ اس کی ماں وہاں اس سے کام کرواتی ہے سارا دن۔ ظاہر ہے۔ وہ ماں ہے اس کی بہتری کے لیے ابھی سے اسے کام میں ڈالنا چاہتی ہے۔ میں ایسا کروں گی تو ظالم کہلاؤں گی۔ لڑکی کا معاملہ ہے، کچھ گھر کے کام وام آجائیں گے تو کل کو اس کی اگلی زندگی اچھی گزرے گی اور یہ سب صرف سگی ماں ہی کر سکتی ہے۔ میں تو بابا اس سے کام وام نہیں کرواؤں گی۔ کہیں مجھ سے بھی بدظن ہو جائے یہ۔"

وہ بغیر رکے سب کچھ کہہ گئی بہت ہوشیاری اور بہت طریقے سے۔

مثال اسکول گئی ہوئی تھی۔ اسے عفت کی اس کارگزاری کا پتا نہ چل سکا۔

"پاپا!" اس کا چہرہ اتر گیا تھا۔

باہر بشریٰ کا ڈرائیور اسے لینے آیا ہوا تھا۔

"میں نے بات کی تھی تمہاری ماں سے۔ وہ بہت ناراض ہوئی اس بات پر۔ بیٹا! ہمارے قانون میں سارا تحفظ صرف ماں کو ہے۔ باپ کو ایسا کوئی حق نہیں۔ اس نے اگر مجھے پندرہ دن کے لیے تمہیں دے رکھا ہے تو یہ اس کی

مہربانی ہے۔ اس نے صاف انکار کردیا ہے کہ وہ تمہیں مستقل میرے پاس نہیں چھوڑ سکتی۔ اب بتاؤ بھلا میں کیا کہتا۔"

عدیل سخت لاچاری سے بولا۔
مثال گم صم سی باپ کی شکل ہی دیکھتی رہ گئی۔
وہ راستہ بھر اپنے آنسو ضبط کرتی رہی۔

☼ ☼ ☼

"نہیں۔ تم کیوں پوچھ رہی ہو مثال!" بشریٰ کچن میں بری طرح مصروف تھی، جب اس نے جاتے ہی اس سے عدیل کے فون کے بارے میں پوچھا۔
بشریٰ کے انکار پر وہ لمحہ بھر کے لیے کچھ بول ہی نہ سکی۔
"آپ سے پاپا نے کوئی بات نہیں کی؟" وہ کچھ پریشان سی ہو کر بولی۔
"کیا بات کرنی تھی۔ تمہارے اسکول سے متعلق تو کوئی بات نہیں ہے کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوئی رزلٹ میں۔" وہ چونک کر بولی۔
رات کو احسن کمال کے بزنس پارٹنر کو ڈنر پر بلایا گیا تھا۔ بشریٰ کک کے ساتھ مصروف تھی۔ اوپر سے مثال کے سوال جواب۔ وہ کچھ جھلا کر رہ گئی۔
"نہیں مما! ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ دل گیری سے بولی۔
"اچھا مثال پلیز! جا کر تم نے جو کرنا ہے وہ کرو، پھر آکر کچن میں میری تھوڑی ہیلپ کرانی ہے تو کراؤ، ورنہ آئینہ کو جا کر دیکھ لو۔ میں اس وقت بہت مصروف ہوں۔ تم سے بعد میں بات کرتی ہوں۔" بشریٰ نے اسے وہاں سے چلتا کیا۔
اور اگلے گیارہ دن تک بشریٰ کو اس سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔
"مگر احسن! مثال کے اسکول میں تو ٹیسٹ سیشن چل رہا ہے پندرہ دن بعد ان کا سمسٹر اسٹارٹ ہو جائے گا۔"
بشریٰ کھانے کی میز پر احسن کمال سے بولی۔
"نو پرابلم۔ دیکھو مجھے یہ ایک ہفتے کی ویکیشنز یوں سمجھو ایک بلیسنگ کے طور پر ملی ہیں کہ ہم ملائیشیا کا ایک وزٹ کر کے آسکیں۔ اس کے بعد پورا سال میرے پاس بالکل بھی ٹائم نہیں ہوگا۔ مثال کو ہم نیکسٹ ٹائم لے جائیں گے۔ یوں بھی ابھی اس کا ویزا وغیرہ نہیں ہے۔"
احسن کمال نے بہت صفائی سے مثال کو اپنی فیملی سے الگ کر دیا تھا ورنہ ویزا تو بشریٰ کے ویزے کے ساتھ بھی بنوایا جا سکتا تھا۔
"یس پاپا... میری ویکیشنز بھی بہت کم ہیں ہم خوب انجوائے کریں گے۔
اور... آئینہ کا تو پہلا ایئر ٹریول ہوگا نا پاپا!" وہ اسی جوش سے بولا۔
مثال تو خیر یوں بھی ان کے ساتھ جانے پر خوش نہیں ہوتی کیوں کہ بشریٰ کے پاس مثال کے لیے ٹائم نہیں ہوتا تھا۔
"بشریٰ بھئی! پیکنگ آج ہی کر لینا ساری۔ کل رات گیارہ بجے کی ٹکٹس کنفرم ہوئی ہیں۔ اس کے بعد تین دن بعد کی فلائٹ مل رہی تھیں۔" وہ اب آپس میں گفتگو کر رہے تھے یوں جیسے مثال وہاں موجود نہیں۔
"مگر ابھی تو مثال کو یہاں چار دن اور رکنا تھا۔" بشریٰ کو خیال آیا تو کچھ پریشان ہو کر بولی۔



"نو پرابلم! یہ رکے اس کا اپنا گھر ہے۔ بعد میں ڈرائیور اسے اس کے باپ کے گھر چھوڑ آئے گا۔"
"نو مما! میں یہاں اکیلی نہیں رہوں گی۔" وہ فوراً ہی گھبرائی تھی۔
"چھوٹی ہے احسن! یہ ابھی۔" بشریٰ بھی پریشانی سے بولی۔
"اتنی بھی منھی نہیں مما! اٹس پریٹنڈز۔" سیفی اس کا منہ چڑا کر بولا۔
"تو ٹھیک ہے چار دن کی کیا بات ہے۔ یہ نیکسٹ ٹائم یہ چار دن پہلے یہاں آجائے اگر اتنا ہی سخت حساب کتاب ہے تو۔" احسن کمال سرسری لہجے میں کندھے اچکا کر بولا۔
بشریٰ کچھ پریشان اور رنجیدگی سے مثال کو دیکھنے لگی جو مسلسل نظریں جھکائے ہوئے تھی اور جس کی لرزتی کانپتی لمبی پلکیں اس کے آنسو روکنے کی کوشش کی گواہ بنی ہوئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

ایک بار پھر شفٹنگ اس کی منتظر تھی۔
یہ والا گھر کوچنگ سینٹر کے لیے بہت چھوٹا پڑ گیا تھا۔
عاصمہ نے گزرتے سالوں میں ماسٹرز اور ایم ایڈ تک تعلیم حاصل کرلی تھی اس نے اپنے کوچنگ سینٹر میں بہت اچھے تعلیم یافتہ ٹیچرز رکھے تھے۔ اس کے سینٹر کا شہر بھر میں ایک نام ہو گیا تھا۔
بہت سوچ بچار کے بعد شہر کے اچھے علاقے میں یہ بنگلہ کرائے پر لیا گیا تھا۔
انہوں نے اپنا گھر کرائے پر دے دیا تھا۔ اپنی بچت سے پوش علاقے میں پلاٹ خرید رکھا اور کچھ پیسے جمع ہونے پر اس پر تعمیر شروع کرانے کا ارادہ تھا۔ واثق پری انجینئرنگ سیکنڈ ایئر میں تھا۔
اریبہ اور اریشہ بھی میٹرک اور آٹھویں درجے میں تھیں۔
درہ بھی تینوں بہن بھائیوں کی طرح پڑھائی میں بہت اچھی تھی۔ عاصمہ کا گھر محبت اور سکون کا گہوارہ تھا۔
ان گزرتے سالوں میں اس نے دن رات محنت کی تھی۔ اس نے بھی اور اس کے بچوں نے بھی۔
"اللہ کسی کی محنت کبھی ضائع نہیں کرتا۔" عاصمہ کو دیکھ کر اس کی ہمت کو دیکھ کر لوگ یہی کہا کرتے۔
بنگلہ زیادہ بڑا نہیں تھا مگر اتنا تھا کہ ان کی رہائش کوچنگ سینٹر کے طور پر آسانی سے کام دے سکے۔
اوپر کی طرف ایک گیسٹ روم تھا اور ایک ہال، چھوٹا سا کمرا جس میں واثق نے اپنی پینٹنگ اور اسکیچنگ کا سامان جمع کر رکھا تھا۔ اس کی فراغت کا مشغلہ جو اسے بہت دنوں بعد نصیب ہوئی تھی۔
اس شام بھی شفٹنگ کے تھکا دینے والے کام کے بعد اسے کچھ فراغت میسر آئی تھی۔ وہ سب سے نظر بچا کر ادھر رہتا تھا۔
اپنا کمرہ صاف کیا۔ سامان ترتیب سے لگایا اور پھر تھک کر باہر ٹیرس کی طرف آگیا۔
وہ گھر ان کے ٹیرس سے کافی اونچا تھا مگر دیواریں کافی چھوٹی تھیں۔
اور وہاں اس نے پہلی بار مثال کو سیڑھیوں پر بیٹھے دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کے روتے دیکھا تھا۔
پہلے تو اسے لگا کوئی لڑکی وہاں بیٹھی شاید سو رہی ہے۔
پھر وہ ذرا آگے ہو کر غور کرنے لگا تو مثال نے چہرے سے ہاتھ ہٹائے۔ دونوں آنکھیں اور چہرے کو رگڑا اور کسی بھی طرف دیکھے بغیر وہ تیز رفتاری سے نیچے سیڑھیاں اتر گئی تھی۔ اسے لگا اس کی دھیان کی سیڑھیاں چڑھ آئی تھی۔
وہ بہت دیر تک اس خالی چھت کو دیکھتا رہا تھا۔ اگرچہ ابھی نہ تو اس کی اتنی عمر تھی کہ محبت، چاہت یا اس طرح

کے کسی جذبے کو ڈھنگ سے سمجھ سکتا۔ بس اس لڑکی کے آنسو جیسے اسے تڑپا گئے تھے۔ پھر جانے کیسے اتفاق ہوا کہ وہ اگلے چار سال تک اس لڑکی کو وہاں نہیں دیکھ سکا تھا۔

اس کا انجینئرنگ کالج میں داخلہ ہو گیا تھا اور عاصمہ کے کہنے پر وہ کچھ عرصہ مکمل یکسوئی سے پڑھنے کے لیے ہاسٹل میں چلا گیا تھا۔

وہ اس لڑکی کو اور اس شام کو قطعاً" فراموش کر چکا تھا انجینئرنگ کے تیسرے سال کے اختتام پر وہ گھر آ گیا تھا۔

اس کے کالج میں چھٹیاں تھیں۔

یوں بھی اس نے فیصلہ کر لیا تھا وہ اب گھر پر ہی رہے گا۔ ہاسٹل کے اخراجات کافی بڑھ گئے تھے۔ عاصمہ کچھ بیمار رہنے لگی تھی۔ مسلسل محنت نے اسے بہت کمزور کر دیا تھا۔

پھر پے در پے شہر بھر میں کھلنے والے کوچنگ سینٹرز کی بدولت اس کے سینٹر میں کچھ رش کم ہو گیا تھا۔

عاصمہ کو اریبہ اور اریشہ کی شادی کی فکر دن رات ستانے لگی تھی۔

اس نے کئی جگہ ان کے رشتوں کے لیے کہہ رکھا تھا مگر کہیں بات نہیں بن رہی تھی۔ واثق اور عاصمہ کافی پریشان تھے۔

ڈرائیور اسے عدیل کے گھر کے باہر اتار کر چلا گیا تھا۔ پندرہ دن ہونے میں ابھی چار دن باقی تھے۔ وہ پاپا کو فون کیے بغیر واپس آ گئی تھی۔

شاید عدیل نے سیل نمبر چینج کر لیا تھا کیونکہ اس کا سیل مسلسل آف جا رہا تھا۔

"عدیل بھائی اپنی مسز اور بچوں کو لے کر اسلام آباد گئے ہیں۔ ان کی مسز کی فیملی میں کوئی شادی تھی۔ کہہ کر گئے تھے کہ وہ چار دن بعد آئیں گے واپس۔"

ساتھ والی آنٹی کے ہوش ربا انکشاف نے مثال کی ٹانگوں سے جیسے جان نکال دی تھی۔

"تم نے اپنے ڈرائیور کو روکنا تھا نا' وہ تمہیں ساتھ واپس لے جاتا کیونکہ ہم بھی آج ثاقب اور ثنا کی نانو کی طرف جا رہے ہیں۔" وہ فوراً" اسے بتانے لگیں۔

"وہ تو چلا گیا آنٹی! اور وہاں مما کے گھر میں تو کوئی بھی نہیں۔ وہ لوگ ملائیشیا چلے گئے ہیں۔ رات میں ان کی فلائٹ ہے اس لیے مما نے مجھے اس وقت یہاں بھیج دیا۔" وہ کانپتی آواز میں بولی۔

"تمہارے پاپا کو کال کر کے بتا دیا تھا تمہاری ماں نے۔" وہ اب کے کچھ برہمی سے بولیں۔

مثال نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"مجھے نہیں پتا آنٹی!" وہ بہت ڈر گئی تھی۔

دوسری طرف کا گھر تو کئی سالوں سے بند تھا۔ وہ لوگ کسی دوسرے ملک جا کر سیٹل ہو گئے تھے اب اگر نبیلہ آنٹی بھی چلی جاتی ہیں تو وہ کہاں جائے گی۔

"تو اب کیا کرو گی تم؟" وہ بے لحاظ سے لہجے میں بولیں تو مثال خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔

"تمہاری نانو ہیں نا۔ ان کے گھر چلی جاؤ۔ ماموں بھی۔" نبیلہ کو جیسے خیال آیا تو وہ کہنے لگیں۔

"ماموں اور نانو تو پچھلے ماہ حج کرنے گئے ہیں۔ وہاں ممانی کی خالہ رہتی ہیں نا۔" وہ ہولے سے بولی۔

نبیلہ یوں کھڑی ہو گئیں کہ اب کیا کیا جائے۔

"آنٹی! میں۔۔۔ اب کیا کروں؟" وہ ڈر کر خود ہی پوچھنے لگی۔

"میں کیا بتاؤں۔ دیکھ لو۔ اپنے پاپا کو کال کر کے ان سے پوچھو کہ تمہیں کیا کرنا چاہیے۔" وہ رکھائی سے بولی۔

اور پھر کچھ سوچ کر اپنے ہاتھ میں پکڑا سیل اس کی طرف بڑھایا۔ مثال کانپتے ہاتھوں سے باپ کا نمبر ملانے لگی۔



دوسری طرف سیل آف جا رہا تھا۔

اس نے ہر کوشش کی اور مایوسی پر سیل نبیلہ کو واپس کرنے لگی۔

"پاپا کا سیل آف ہے۔ شاید ان کا نمبر چینج ہو گیا ہے۔" وہ رندھی آواز میں بولی۔

"مائی گاڈ! کیسے لاپروا پیرنٹس ہیں۔ بچی کی کوئی فکر نہیں۔ اپنی اپنی دوسری فیملیوں کو لے کر سیر سپاٹے کو نکل گئے۔ اب بتاؤ میں تمہارا کیا کروں۔ ہم نے آؤٹ آف سٹی جانا ہے۔ تمہیں ساتھ تو نہیں لے جا سکتے۔" وہ کوفت بھرے لہجے میں بولیں۔

دوسرے لمحے ان کے گیٹ سے گاڑی باہر نکلی۔ ان کے دونوں بچے اور شوہر تیار حلیے میں گاڑی میں بیٹھے تھے اور نبیلہ آنٹی کو بیٹھنے کا کہہ رہے تھے۔

"رکو میں آتی ہوں۔" وہ بے زاری سے کہہ کر شوہر کے پاس گئیں کچھ دیر شوہر سے بات کرتی رہیں۔

مثال کی آنکھوں میں آنسو آتے جا رہے تھے۔ اطراف میں شام کے سائے گہرے ہو چکے تھے۔ رات ہونے کو تھی۔ وہ کہاں جائے گی اس وقت اگر یہ لوگ بھی نکل گئے تو۔

اس کے ضبط کرتے کرتے بھی آنسو نکل ہی پڑے۔

"سنو! تمہاری دادی کی کزن ہیں نا یہاں تیسری چوتھی گلی میں رہتی ہیں۔ تمہاری دادی بھی شاید وہیں رکی ہوں تم وہاں چلی جاؤ ناں۔ معلوم ہے نا تمہیں ان کا گھر؟" شوہر سے مشورے کے بعد نبیلہ آنٹی اس کے پاس آ کر بولیں۔

"یا ہم تمہیں چھوڑ دیں؟ اس کی خاموشی پر وہ کچھ بے زاری سے بولیں۔

"آپ۔۔۔ رہنے دیں۔ میں خود سے چلی جاؤں گی۔ مجھے دادو کی کزن کا گھر معلوم ہے۔" وہ رک رک کر بمشکل بولی تھی۔

"دیکھ لو! اگر جا سکتی ہو تو جانا' ورنہ بتا دو یہ نہ ہو کہ رستہ بھول جاؤ یا پھر کہیں اور نکل جاؤ۔" وہ احتیاطاً" بولیں ورنہ ان کا موڈ ایسی کوئی بھی ہمدردی جتانے کا نہیں تھا۔ ان کے شوہر اب گاڑی کا ہارن بجائے جا رہے تھے۔

"چلی جاؤ گی نا۔ بتا دو مجھے ویسے بھی تمہارے پیرنٹس کون سا مجھے کہہ کر گئے تھے تمہارا خیال رکھنے کو۔" وہ اس خواہ مخواہ کی سر پڑی مصیبت سے جھنجلا رہی تھیں۔

"آنٹی! میں چلی جاؤں گی دادو کی طرف پلیز۔ آپ پریشان نہیں ہوں۔ یہاں سے تین گلیاں چھوڑ کر ان کا گھر ہے۔ مجھے راستہ آتا ہے۔" وہ کچھ خود اعتمادی سے بولی۔

"گڈ۔ تو میں پھر جاؤں؟" وہ جیسے ہلکی پھلکی ہو کر بولیں۔

"جی!" مثال رخ پھیر کر ہاتھ میں پکڑے بیگ کو سنبھالتے ہوئے آہستگی سے بولی۔

نسرین دادو کے گھر وہ ایک بار یا شاید دو بار پاپا کے ساتھ گئی تھی۔ اسے بالکل بھی ان کے گھر کا راستہ نہیں آتا تھا مگر اس کی خوددار طبیعت یہ گوارا نہیں کر رہی تھی کہ ساتھ والی آنٹی اس کی وجہ سے خواہ مخواہ پریشان ہوں جب اس کے اپنے والدین کو اس کی فکر نہیں تھی۔

وہ اندھیری گلیوں میں تیز تیز چلنے لگی۔

اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کے قدموں کی رفتار بھی تیز ہوتی جا رہی تھی۔ "مجھے ان سے نانو کے یہاں نہ ہونے کا جھوٹ نہیں بولنا چاہیے تھا۔ وہ مجھے نانو کی طرف ڈراپ کر دیتے۔"

وہ اب تقریباً" بھاگ رہی تھی جب کوئی اندھیرے میں اس کے پیچھے بھاگنے لگا۔ اس نے مڑ کر دیکھا اور اس کی چیخ نکل گئی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

رخسانہ نگار عدنان

# ایک تھی مثال

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصلحتاً بیٹا بہو سے لگاوٹ دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پا جاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بشریٰ اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کر دیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کر کے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کر کے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آ رہے ہیں۔ عاصمہ کو فون کے ذریعے کوئی اطلاع ملتی ہے، جسے سن کر وہ بے ہوش ہو جاتی ہے۔

فون پر پتا چلتا ہے کہ شہر آتے ہوئے عفان اور فاروق صاحب ڈکیتی کی واردات میں قتل ہو گئے۔ عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے وصول کر پاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کر رہا ہے۔

اسلام آباد سے واپسی پر عدیل دونوں متقولین کو دیکھتا ہے۔ زاہدہ ٔنسیم بیگم سے بیس لاکھ روپے سے مشروط فوزیہ کی رخصتی کی بات کرتی ہیں۔وہ سب پریشان ہوجاتے ہیں۔عدیل بشریٰ سے ذکیہ بیگم سے تین لاکھ روپے لانے کو کہتا ہے۔

حمیدہ خالہ ٔعاصمہ کو سمجھاتی ہیں کہ عدت میں زبیر کا اکیلے اس کے گھر آنا مناسب نہیں ہے۔لوگ باتیں بنارہے ہیں جبکہ عاصمہ کی مجبوری ہے کہ گھر میں کوئی مرد نہیں۔اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور سارے کام اس نے خود کرنے ہیں۔وہ جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔عاصمہ کے کہنے پر زبیر کسی مفتی سے فتویٰ لے کر آجاتا ہے کہ وہ انتہائی ضرورت کے پیش نظر گھر سے نکل سکتی ہے بشرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر آجائے ٔسو وہ عاصمہ کو مکان دکھانے لے جاتا ہے۔

رقم مہیانہ ہونے کی صورت میں فوزیہ کو طلاق ہوجاتی ہے۔ نسیم بیگم جذباتی ہوکر بہو اور اس کے گھر والوں کو موردِ الزام ٹھہرانے لگتی ہیں۔اسی بات پر عدیل اور بشریٰ کے درمیان خوب جھگڑا ہوتا ہے۔عدیل طیش میں بشریٰ کو دھکا دیتا ہے۔اس کا ابارشن ہوجاتا ہے۔عدیل شرمندہ ہوکر معافی مانگتا ہے مگر وہ ہنوز ناراض رہتی ہے اور اسپتال سے اپنی ماں کے گھر چلی جاتی ہے۔

اسی اسپتال میں عدیل عاصمہ کو دیکھتا ہے جسے بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا ہوتا ہے۔عاصمہ اپنے حالات سے تنگ آکر خودکشی کی کوشش کرتی ہے تاہم بچ جاتی ہے۔نو سال بعد عاصمہ کا بھائی ہاشم پریشان ہوکر پاکستان آجاتا ہے۔عاصمہ کے سارے معاملات دیکھتے ہوئے ہاشم کو پتا چلتا ہے کہ زبیر نے ہر جگہ فراڈ کرکے اس کے سارے راستے بند کردیے ہیں اور اب مفرور ہے۔بہت کوششوں کے بعد ہاشم ٔعاصمہ کو ایک مکان دلاپاتا ہے۔بشریٰ اپنی واپسی الگ گھر سے مشروط کردیتی ہے۔دوسری صورت میں وہ علیحدگی کے لیے تیار ہے۔عدیل سخت پریشان ہے۔

عدیل مکان کا اوپر والا پورشن بشریٰ کے لیے سیٹ کروادیتا ہے اور کچھ دنوں بعد بشریٰ کو مجبور کرتا ہے کہ وہ فوزیہ کے لیے عمران کا رشتہ لائے۔ نسیم بیگم اور عمران کسی طور نہیں مانتے۔عدیل اپنی بات نہ مانے جانے پر بشریٰ سے جھگڑتا ہے۔بشریٰ بھی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتی ہے۔عدیل طیش میں بشریٰ کو طلاق دے دیتا ہے اور مثال کو چھین لیتا ہے۔مثال بیمار پڑجاتی ہے۔بشریٰ بھی حواس کھودیتی ہے۔ عمران بہن کی حالت دیکھ کر مثال کو عدیل سے چھین کرلے آتا ہے۔عدیل ٔعمران پر اغوا کا پرچا کٹوادیتا ہے۔

عاصمہ اسکول میں ملازمت کرلیتی ہے مگر گھریلو مسائل کی وجہ سے آئے دن چھٹیاں کرنے کی وجہ سے ملازمت چلی جاتی ہے۔اچانک ہی فوزیہ کا کہیں رشتہ طے ہوجاتا ہے۔

انسپکٹر طارق دونوں فریقین کو سمجھا بجھا کر مصالحت پر آمادہ کرتے ہیں۔ذکیہ بیگم کی خواہش ہے کہ عدیل ٔمثال کو لے جائے ٔتاکہ وہ بشریٰ کی کہیں اور شادی کرسکیں۔دوسری طرف نسیم بیگم بھی ایسا ہی سوچے بیٹھی ہیں۔فوزیہ کی شادی کے بعد نسیم بیگم کو اپنی جلدبازی پر پچھتاوا ہونے لگتا ہے۔

انسپکٹر طارق ٔذکیہ بیگم سے فوزیہ کا رشتہ مانگتے ہیں۔ذکیہ بیگم خوش ہوجاتی ہیں ٔمگر بشریٰ کو یہ بات پسند نہیں آتی۔ایک پراسراری عورت عاصمہ کے گھر بطور کرائے دار رہنے لگتی ہے۔وہ اپنی حرکتوں اور انداز سے جادو ٹونے والی عورت لگتی ہے۔عاصمہ بہت مشکل سے اسے نکال پاتی ہے۔

بشریٰ کا سابقہ منگیتر احسن کمال ایک طویل عرصے بعد امریکا سے لوٹ آتا ہے۔وہ گرین کارڈ کے لالچ میں بشریٰ سے منگنی توڑ کر نازیہ بھٹی سے شادی کرلیتا ہے ٔپھر شادی کے ناکام ہوجانے پر ایک بیٹے سیفی کے ساتھ دوبارہ اپنی چچی ذکیہ بیگم کے پاس آجاتا ہے اور دوبارہ شادی کا خواہش مند ہوتا ہے۔بشریٰ تذبذب کا شکار ہوجاتی ہے۔

بالآخر وہ احسن کمال سے شادی پر رضامند ہوجاتی ہے اور سادگی سے دو گھنٹے کے اندر نکاح بھی ہوجاتا ہے۔عاصمہ اس جادوگر عورت کو نکالنے کے بعد اپنا مکان دوبارہ کرائے پر نہیں دیتی بلکہ پڑوس میں رہنے والی سعدیہ کے ساتھ کوچنگ سینٹر کھول لیتی ہے۔ساتھ ہی اس کے مشورے پر بی اے کے پرائیویٹ امتحان دینے کی تیاری شروع کردیتی ہے۔

## سترہویں قسط



اندھیرے میں پیچھے آنے والے کی شکل کچھ اور بھی خوف ناک لگ رہی تھی یا وہ چہرو تھا ہی اتنا ڈراؤنا۔ نشے میں سرخ آنکھیں لیے جھومتا جھامتا کوئی لڑکا تھا ٔجو دیکھنے میں اتنا مریل تھا کہ ہیولے کی طرح لگتا تھا مگر اس کی سرخ آنکھوں کے ڈورے اور ان میں چھلکتی ہوس۔

مثال کو لگا۔ آج یہاں اس اندھیری اکیلی گلی میں وہ کچھ ہوجائے گا جو اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا ہوگا۔ صرف ایک قدم کا فاصلہ تھا۔اس نشئی نے مثال کی کلائی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

مثال کے منہ سے ایک تیز چیخ نکلی اور پھر وہ اس جگہ کھڑی خوفزدہ سی چیختی چلی گئی۔

اس کی ٹانگوں سے جان سی نکل گئی تھی۔اسے یوں لگ رہا تھا ٔجیسے وہ اب یہاں سے ایک انچ بھی نہیں ہل سکے گی۔

وہ لڑکا اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ اسے کھینچنے لگا کہ اسی وقت پیچھے موجود گھر کا سیاہ گیٹ ایک دم سے کھلا اور کوئی ان دونوں کے درمیان آکر کھڑا ہوگیا۔

مثال خوف سے لہرا کر گرنے کو تھی۔جب ان دو مہربان ہاتھوں نے بے اختیار اسے تھام لیا تھا۔

"کون ہو تم... جاتے ہو یا تمہارا حشر کروں میں... دفع ہوجاؤ۔"

عاصمہ اس نشئی پہ پوری قوت سے چیخی تھی۔وہ ڈر کر فوراً" ہی الٹے قدموں بھاگ گیا۔

عاصمہ مثال کو ساتھ لگائے اسے تھپکتے ہوئے کھلے گیٹ سے اندر لے گئی۔

☼ ☼ ☼

عاصمہ پلکیں جھپکائے بغیر اس معصوم ٔسادہ ٔحسین بے ریا چہرے کو دیکھے جارہی تھی ٔجو خود پر قابو پاتے ہوئے گویا بہت جبر کے مرحلوں سے گزر رہی تھی۔

"بیٹا! اگر تمہیں رونا آرہا ہے تو تم رولو۔ تمہارا جی ہلکا ہوجائے گا مگر اتنا خود پہ جبر نہیں کرو... یہ لو پانی پیو۔"

وہ اس کے سامنے ٹھنڈے پانی کا گلاس رکھتے ہوئے نرمی اور پیار سے بولی۔مثال ایک ہی سانس میں سارا گلاس چڑھا گئی اور جیسے جبر کے سارے مرحلوں سے گزر آئی۔

"نہیں میں رو نہیں رہی ٔمیں ڈر گئی تھی۔وہ شخص جو میرے پیچھے آرہا تھا وہ بہت خوفناک تھا۔مجھے ڈر لگا تھا بہت۔"

وہ سنبھل چکی تھی اور اب قدرے اعتماد سے بول رہی تھی۔

"اس وقت اکیلی کہاں سے آرہی تھیں۔بلکہ کہاں جارہی تھیں۔شام گہری ہوچکی ہے بلکہ رات... تو تم اکیلی؟"

عاصمہ بات کرتے ہوئے اس کے بھاری سے بیگ کو دیکھ کر کچھ ٹھٹک کر بولی۔

"میں اپنے پاپا کے گھر آئی تھی مگر وہ لوگ گھر پر نہیں تھے۔اپنی دادو کے ایک رشتہ دار کے گھر جارہی تھی کہ راستہ بھول گئی تو بس۔"

وہ رک رک کر کچھ اٹک کر بولی۔

"پاپا کے گھر... مطلب تمہاری ماں۔"

"ماما کے گھر سے تو آئی تھی۔ڈرائیور مجھے باہر ہی ڈراپ کرگیا۔اسے بھی پتا نہیں تھا کہ پاپا لوگ گھر نہیں ہیں۔" وہ ذرا وضاحت سے بولی عاصمہ الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔کچھ دیر کمرے میں خاموشی رہی۔

"کچھ کھاؤگی؟" کچھ دیر بعد عاصمہ کو خیال آیا تو پوچھنے لگی۔

"نہیں۔مجھے جانا ہے۔" وہ بے چین ہوکر بولی مگر فوری طور پر اسے کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے اب کہاں

جانا چاہیے۔

"اپنی ماما کے گھر جاؤ گی؟" عاصمہ نے ذرا سوچ کر کہا۔

اس نے افسردگی سے نفی میں سر ہلا دیا۔

اب وہ اس عورت کو کیا بتائے۔ اس کے دو گھر ہیں مگر کہیں بھی اسے بصد محبت نہیں رکھا جاتا۔ وہ تو ایک زبردستی کی مصیبت تھی جو دونوں گھروں کو بھگتنا پڑتی تھی۔

"ماما کہاں ہیں تمہاری؟" عاصمہ پھر سے بولی۔

"وہ ملائیشیا گئی ہیں اپنے بچوں اور شوہر کے ساتھ۔" بہت آہستگی سے مجرمانہ انداز میں سر جھکا کر بولی۔

عاصمہ کو معاملہ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا مگر اس ڈری سہمی بچی سے مزید کریدنا بھی اسے اچھا نہیں لگا۔

"اچھا بیٹا! آپ کو جہاں جانا ہے آپ مجھے بتا دیں۔ میں آپ کو بھجوا دوں گی۔ اگر کہیں فون کر کے کسی کو بلانا ہے تو میں آپ کی بات کروا دیتی ہوں لیکن بہتر ہے پہلے آپ کچھ کھالیں، مجھے لگ رہا ہے آپ نے کافی دیر سے کچھ نہیں کھایا۔" وہ ماں تھی اور پھر بہت سالوں سے بچوں کی استاد بھی۔

بچوں کو کب بھوک لگتی ہے اور کب وہ بھوک کو چھپاتے ہوئے بھی چھپا نہیں پاتے۔ وہ جانتی تھی۔

"نہیں مجھے بھوک تو نہیں ہے۔" وہ انگلیاں مسل کر آہستگی سے بولی۔ عاصمہ کو اس لڑکی پہ جانے کیوں پیار سا آیا۔ جی چاہ رہا تھا اسے گلے سے لگا کر پیار کرے مگر۔۔۔ وہ چلی گئی۔

"کیا کروں۔ مجھے اب کہاں جانا چاہیے؟" عاصمہ کے اٹھ کر جاتے ہی وہ مضطرب سی سوچنے لگی۔

عاصمہ جلدی سے اس کے لیے کباب، فرنچ فرائز اور کیچپ لے کر آئی تھی اور اشتہا انگیز خوشبو والی پلیٹ اس کے سامنے رکھ دی۔

"میں چائے لے کر آتی ہوں۔ تم اتنی دیر میں یہ کھاؤ۔ میری بیٹیاں اپنے اسکول ۔ ٹرپ پہ ۔۔۔ گئی ہیں۔ وہ آنے والی ہیں، تم بالکل بور نہیں ہو گی۔" عاصمہ کہہ کر جانے لگی۔

"وہ آنٹی! مجھے جانا ہے پلیز۔" جلدی سے بولی۔ عاصمہ نے کچھ چونک کر اسے دیکھا۔

"اوکے، آپ یہ کھالیں پھر آپ جہاں کہیں گی۔ میں آپ کو خود چھوڑ آؤں گی۔ اگر ہاتھ منہ دھونا ہے تو یہ ساتھ ہی واش روم ہے۔ میں آتی ہوں چائے لے کر۔" وہ کہہ کر باہر نکل گئی۔

مثال سادگی سے سجے چھوٹے سے ڈرائنگ روم کو دیکھنے لگی۔ "کتنی نائس آنٹی ہیں اور سب سے بڑھ کر انہوں نے اوروں کی طرح مجھ سے بے ہودہ سوال نہیں پوچھے۔ ماما کا گھر الگ کیوں اور پاپا کا الگ کیوں؟"

وہ تنہائی میں خود ہی نادیدہ سوال پوچھنے والوں کو منہ چڑھا کر واش روم میں ہاتھ دھونے چلی گئی۔

عاصمہ جب تک چائے لے کر آئی۔ مثال آدھی سے زیادہ پلیٹ خالی کر چکی تھی۔

"آنٹی! مجھے اپنی نانو کے گھر جانا ہے۔ ماموں کی طرف۔" وہ کھانے کے دوران فیصلہ کر چکی تھی۔

اگرچہ حنا مامی بہت بری تھیں۔ منہ پھٹ اور سخت سنانے والی مگر اس وقت یوں آوارہ پھرنے سے تو بہتر تھا کہ وہ وہاں جا کر حنا مامی کی کڑوی کسیلی باتیں سن لیتی۔

"اچھی بات ہے۔ آپ کی نانو کا گھر کہاں ہے۔ آپ کو ایڈریس معلوم ہے ان کے گھر کا؟" عاصمہ سر ہلا کر کچھ مطمئن سے لہجے میں پوچھنے لگی۔

"جی معلوم ہے مجھے۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"نانو کے ساتھ اور کون ہوتا ہے ان کے گھر میں؟"

"ماموں ممانی، ان کے بچے۔" وہ کچھ تفصیل سے بتا گئی۔

"تو آپ اپنے ماموں سے پہلے بات کرلو یا وہ تمہیں آکر لے جانا چاہیں تو زیادہ بہتر ہے۔" عاصمہ نے کچھ سوچ کر کہا۔

"جی، میں کرلیتی ہوں ان سے بات۔" وہ تابع داری سے بولی۔ یوں بھی اسے ڈر تھا کہ وہ نانو کے گھر کا ایڈریس بھول نہ جائے۔ وہ تو ادھر سالوں سے نہیں گئی تھی۔

"لو نمبر ملا کر بات کرو۔ اگر وہ تمہیں لینے کے لیے آتے ہیں تو میں انہیں یہاں کا ایڈریس سمجھا دیتی ہوں۔ تم مجھ سے بات کرا دینا۔" عاصمہ نے سیل فون لا کر مثال کو دیا۔

مثال فون لے کر لحہ بھر سوچتی رہی۔ پہلے جی میں آیا پاپا کا نمبر ملا کر انہیں ذرا سنائے۔ لیکن پھر خیال آیا کہ پاپا تو اپنا نمبر اسے بتائے بغیر ہی تبدیل کرچکے ہیں۔

درد کی ایک لہر سی اس کے سینے میں اٹھی۔ جسے دبا کر اس نے جلدی سے عمران کا نمبر ملا کر اسے مختصراً صورت حال بتائی، جس کا موڈ یہ سن کر آف ہوگیا تھا کہ اب اسے مثال کو لینے کے لیے آنا پڑے گا۔

عاصمہ نے عمران کو گھر کا ایڈریس سمجھایا۔

عمران نے آدھے گھنٹے میں آنے کا کہا اور پورے گھنٹے بعد پہنچا۔

اس دوران عاصمہ اس سے ادھر ادھر کی ہلکی پھلکی باتیں کرتے ہوئے اس کا سارا احوال جان چکی تھی۔

اسے اس معصوم سی لڑکی پر جی بھر کر رحم آیا۔ جس کے ماں باپ نے اسے یوں بے سہارا چھوڑ دیا تھا۔

وہ دونوں اس کے پاس تھے مگر کتنے دور تھے۔

کاش میں اسے اپنے پاس رکھ لیتی ہمیشہ کے لیے۔ انوکھی سی خواہش، جو وہ جانتی تھی کسی بھی طرح پوری نہیں ہو سکتی، اس کے دل میں جاگی تھی۔

"سنو مثال بیٹی! آپ کا جب دل چاہے، آپ میری طرف آجایا کریں۔ میرا کوچنگ سینٹر بھی ہے اگر آپ کو اسٹڈیز میں کوئی پرابلم ہو، ٹیوشن کے خیال سے نہیں، آپ یونہی آکر مجھ سے یا کسی بھی ٹیچر سے ڈسکس کرلیں، اگر نوٹس چاہیے ہوں تو بھی آپ آسکتی ہیں میرے پاس بلا جھجک۔"

مثال کی شفاف آنکھوں میں نمی سی چھلکنے لگی۔

"یہ زندگی ایک امتحان گاہ بھی ہے بیٹی! کچھ لوگوں کو بہت شروع ہی سے اس میں سخت سوالوں کا سامنا کرنا پڑ جاتا ہے اور کسی کو آخر میں..... مشکلیں تو سب کو پیش آتی ہیں مگران کے لیے یہ مشکلیں جلد آسان ہو جاتی ہیں، جو بہت بہادری سے ان کا سامنا کرنے کا فیصلہ کرلیتے ہیں۔ آپ سمجھ رہی ہیں نا؟" عاصمہ اسے ساتھ لگائے ہولے ہولے کسی مشفق مہربان ماں کی طرح سمجھا رہی تھی۔

مثال نے چپکے سے اپنے آنسو صاف کرلیے۔

"ضرور آنٹی! میں آجایا کروں گی۔ آپ کا گھر پاپا کے گھر سے زیادہ دور نہیں۔ میں جب ففٹین ڈیز کے لیے پاپا کے پاس آیا کروں گی تو آپ کے پاس بھی آجایا کروں گی۔"

وہ لرزتی پلکوں کے ساتھ آنسو ضبط کرتے ہوئے معصوم لہجے میں کہتی سیدھی عاصمہ کے دل میں اتر گئی۔

اس نے اسے کھینچ کر اپنے سینے سے لگالیا۔

باہر عمران کی گاڑی کا ہارن بجا تو عاصمہ نے اسے بہت سی دعاؤں کے ساتھ رخصت کردیا جیسے وہ صبح اریبہ اور اریشہ کو اسکول ٹرپ پر جانے کے لیے رخصت کررہی تھی۔

اس کی گاڑی کی ٹیل لائٹس دور جارہی تھیں اور عاصمہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ انہیں دور تک تکے جارہی تھی۔ جب واثق کی بائیک دروازے کے پاس آکر رکی۔

وہ بھی ماں کی نظروں کے تعاقب میں دور جاتی شیراڈ کو دیکھنے لگا۔

"کوئی آیا تھا مما؟" وہ ماں کے پیچھے ڈرائنگ روم میں چلا آیا۔ جہاں فرنچ فرائز اور بچے ہوئے دو کبابوں کے ساتھ کیچپ کی پلیٹ رکھی تھی۔

وہ عادتاً" کباب اٹھا کر کھانے لگا۔

"ہاں... تھا کوئی۔" عاصمہ گہرا سانس لے کر کچھ سحر زدہ سے لہجے میں بولی۔

"کون... آپ کا گیسٹ تھا کوئی؟" وہ ذرا متجسس لہجے میں پوچھنے لگا۔ عاصمہ کے شاگردوں کے والدین آتے رہتے ہیں۔ اس نے اس خیال سے پوچھ لیا۔

"ہاں یہی سمجھ لو۔ تم نے آج دیر لگادی جم میں؟"

"ہاں بس یونہی... یہ اریشہ، اریبہ ابھی تک نہیں آئیں، آپ نے فون کرکے معلوم کیا؟" گھر کی خاموشی پر وہ ماں سے بولا۔

"نہیں، وہ لوگ پہنچنے والی ہوں گی جب میں نے کال کی ان کی کوچ وہاں سے نکل پڑی تھی۔"

"مما... یہ کیا ہے؟" وہ اٹھ کر جانے لگا کہ صوفے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کچھ محسوس ہوا۔

قرمزی نگینے کے ساتھ چھوٹا سا ٹاپس تھا۔

عاصمہ کو یاد آیا۔ یہ ابھی اس نے مثال کے کانوں میں دیکھا تھا۔

"اوہ شاید اس کے کان سے گر گیا۔" وہ جلدی سے ہاتھ میں لے کر بولی۔

"کس کے؟" وہ کچھ حیرانی سے بولا۔

"تھی میری ایک اسٹوڈنٹ۔ مجھ سے ملنے آئی تھی۔ شاید اس کے کان سے گر گیا ہو۔ اب آئے گی تو واپس کر دوں گی۔ تم منہ ہاتھ دھولو میں تمہارے لیے جوس لاتی ہوں۔"

وہ ٹاپس واثق کے ہاتھ سے لے کر اندر چلی گئی۔

✡ ✡ ✡

ذکیہ بیگم کو فالج ہوچکا تھا۔

وہ بستر پر لاچار ہو کر گزشتہ تین سال سے پڑی تھیں۔ حنا کے یکے بعد دیگرے چار بچے ہوئے تھے کہ اسے سانس لینے کی مہلت نہیں مل سکی تھی۔

چار بچوں کے ان گنت کام پھر بستر پر پڑی مفلوج ساس کی ہر لحہ خدمت، دو ملازماؤں کے ساتھ بھی حنا کے کام نبٹتے نہیں تھے۔

پھر مسلسل کام اور ذمہ داریوں نے اسے بہت چڑچڑا، بد مزاج اور بد زبان بنا دیا تھا۔

بشریٰ تو اسے ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی جب وہ اپنے دولت مند شوہر کی لمبی گاڑی میں بجی سجائی کبھی کبھی ماں سے ملنے آتی تو کسی مہمان کی طرح دو گھڑی بیٹھ کر چلتی بنتی۔

اسے ذکیہ کے پاس بیٹھنے ان کی خدمت کرنے کا نہ تو کوئی شوق تھا نہ احسن کمال اسے چند گھنٹے سے زیادہ یہاں رکنے کی اجازت دیتا تھا۔

وہ بڑے تکلف بھرے انداز میں آتی اور چائے اسنیکس کے ساتھ ماں کا حال احوال پوچھ کر کچھ تحفے بچوں کے حوالے کرکے چلتی بنتی تو ایسے میں حنا کا جی چاہتا اسے دھکے دے کر گھر کے دروازے اس پر ہمیشہ کے لیے بند کر دے۔ وہ دوبارہ یہاں اس کا جی جلانے کے لیے نہیں آئے۔

مگر اس کے جلے دل کی یہ خواہش بھی پوری ہونا ناممکن تھی بہرحال عمران ذکیہ ابھی بھی بشریٰ کو چاہتے تھے اور اس کی آمد کے منتظر رہتے تھے۔
حنا کو جب بشریٰ اچھی نہیں لگتی تھی تو پھر اس کی بیٹی مثال کیونکر اچھی لگ سکتی تھی۔
جب وہ ماموں کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی' حنا سب سے چھوٹے بیٹے کی ڈنر سیٹ کی پلیٹ توڑنے پر ٹھیک ٹھاک دھنائی کر رہی تھی۔
بچے کو مارنے پیٹنے کے دوران اس نے جی بھر کر اپنے نصیبوں کو اور بچوں کی بدتمیزی کو کوسا۔
اور اسی طرح چیختی چلاتی غصیلے مزاج کے ساتھ کچن میں چلی گئی۔
عمران بیوی کا آف موڈ دیکھ کر دوست سے ملنے کا بہانہ کر کے کھسک گیا۔ مثال کسی مجرم کی طرح پہلے لاؤنج میں بیٹھی رہی' اندر کچن میں حنا ابھی بھی برتن پٹختے ہوئے اسی طرح کرختی سے بول رہی تھی جانے اب کچن میں کون سے نمبر والا بچہ تھا۔
"یہ لو پکڑو۔ اپنی اس بیمار' بدمزاج' نانی کو کھلا دو یہ چاول۔ سال کے تین سو پینسٹھ دن میری ہی ڈیوٹی نہیں کہ میں اس بیگار کیمپ میں جتی رہوں۔ تمہاری احسان فراموش ماں اور عیاش ماموں کو تو کوئی شرم ہے نہ حیا کہ اس بیمار بڑھیا کو میں اپنے جہیز میں نہیں لے کر آئی تھی' دو گھڑی کو وہ بھی اس کی خدمت کر لیں۔"
وہ پلیٹ اس کے آگے پٹخ کر جس طرح بولتی ہوئی آئی تھی اسی طرح بولتی بکتی چلی گئی۔
مثال چاولوں کی پلیٹ لے کر نانی کے کمرے میں چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

ذکیہ بیگم بستر پر عبرت کی تصویر بنی پڑی تھیں۔
اور ان کے کمرے میں کس قدر تعفن' گندگی اور بدبو تھی کہ مثال کو لگا اسے ابھی قے آجائے گی۔
کمرے کے پردے گرے ہوئے تھے۔ کمرے میں عجیب سی گیلی گیلی بساند تھی۔ ذکیہ کی زبان پر بھی فالج گرا تھا وہ جو بھی بولتی تھیں کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔
سو وہ بغیر بتائے بستر خراب کر دیتیں بغیر بتائے کھایا پیا اگل دیتیں اور حنا گھر کے دوسرے کاموں میں مصروف کئی کئی گھنٹے اس کمرے میں جھانکنا ہی بھول جاتی۔
ملازمہ موجود تھی مگر جب مالکن کو کوئی دلچسپی نہیں تھی تو وہ کیوں دل سے کام کرتی۔
اوپر اوپر سے کمرہ صاف رکھتی اور بچاری ذکیہ کے کمر کے نیچے بننے والے زخم پھیلتے ہی چلے جا رہے تھے۔
مثال کو دیکھ کر ذکیہ حلق سے عجیب سی آوازیں نکالتی روتی چلی گئیں۔
وہ غوں غاں کرتی کیا بولے جا رہی تھی۔ مثال کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا مگر وہ نانی کی بے بسی' ان کی لاچاری کو دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔
"میرے اللہ! میں ہر وقت اپنی حالت کو' اپنی بے بسی' بے چارگی کو روتی رہتی مگر نانی۔۔۔ جو کسی گندے شخص کو جس کے کپڑوں سے' منہ سے اسمیل آ رہی ہوتی تھی پاس نہیں بیٹھنے دیتی تھیں وہ اس حال میں ہیں کہ اپنے جسم سے پھوٹتی ان غلیظ بدبوؤں کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتیں۔"
وہ اتنے بدبودار ماحول اور ذکیہ کو خستہ حال میں دیکھ کر کس طرح انہیں چاول کھلا سکتی تھی۔
وہ کتنی دیر تک پلیٹ ہاتھ میں لیے یونہی بیٹھی رہی۔
ذکیہ کو شاید بھوک لگی تھی۔ وہ پلیٹ کو دیکھ کر غوں غاں کرتی جا رہی تھیں۔

مثال نے اپنی سانسوں کو بمشکل روکتے ہوئے ذکیہ کو چند نوالے کھلائے کہ وہ ٹھیک سے غذا کھا بھی نہیں سکتی تھیں۔

ان کی آتی جاتی سانسیں کسی عذاب سے کم نہیں تھیں۔

عمران تو ماں کے کمرے میں کئی کئی دن جھانکتا بھی نہیں تھا مثال کو حنا کی پریشانیوں کا ان چار دنوں میں اندازہ ہوا۔ کم از کم وہ بشریٰ اور عمران سے تو اچھی تھی جیسے تیسے سہی ذکیہ کو تین ٹائم کھانا کھلاتی تھی۔ دوا دیتی تھی ملازمہ کے سر پر چیخ چیخ کر حتی الامکان ان کا کمرہ صاف کرواتی۔ ان کے کپڑے روز بدلواتی۔ ان کے زخموں پر مرہم لگاتی اور کسی دن اس کے پاس ٹائم ہوتا تو وہ ملازمہ کے ساتھ مل کر ذکیہ کو کرسی پہ بٹھا کر باہر بھی لے جاتی۔

مگر ایسا بہت کم ہوتا تھا اگرچہ روز بھی ہو سکتا تھا اگر عمران دلچسپی لیتا تو......

مگر اس نے تو جیسے ماں کو بالکل بھلا دیا تھا' ایسے میں حنا واقعی ذکیہ کے لیے کسی فرشتے سے کم نہیں تھی۔

مثال نے ان چار دنوں میں مامی کے ساتھ مل کر جتنی ہو سکی ذکیہ کی خدمت کی۔ ملازمہ کے ساتھ مل کر سارا کمرہ دھلوایا۔ پردے اتروا کر بدلوائے۔ بستروں کی چادریں کرسیاں' میزیں سب صاف کروا کے رکھوائیں۔

ذکیہ کی کمر کے زخم چار دن میں بہتر ہونے لگے تھے کہ وہ اب دن میں دوبار کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھاتی تھیں اور ٹی وی دیکھتی تھیں۔ پانچویں دن کی شام عدیل اسے لینے کے لیے آگیا۔

عدیل کا موڈ سخت آف تھا۔ مثال باپ کا چہرہ دیکھ کر ڈر سی گئی۔

"کیوں آئی ہو تم ادھر رہنے کے لیے؟" وہ کچھ دیر ہی خود پر ضبط کر سکا۔ تھوڑا آگے جاتے ہی برہم موڈ میں بولا۔

"وہ پاپا...... گھر میں کوئی بھی نہیں تھا تو...... میں۔" وہ کچھ بھی ٹھیک طرح سے نہیں بتا سکی اس شام کی سنگین صورت حال اور اس فرشتے جیسی آنٹی کے بارے میں اور اس شیطان جیسے نشئی کے بارے میں جو اس کے پیچھے آیا تھا اور نہ ماں کی بے بسی کے بارے میں کہ وہ اپنا ملائیشیا کا ٹرپ اس کی وجہ سے کینسل تو نہیں کر سکتی تھی۔

"جانتی ہو ناں' مجھے ان ماں بیٹے سے کتنی نفرت ہے۔ ان ہی کی وجہ سے ہوا تھا۔ جو کچھ بھی ہوا تھا۔ میں چاہوں بھی تو اس تلخ حقیقت کو بھلا نہیں سکتا۔ تم جو آج پندرہ پندرہ دن کے لیے کبھی ماں کے گھر دھکے کھاتی ہو۔ کبھی باپ کے گھر اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ماں بیٹا تھے۔" مثال اسے دیکھتی رہ گئی۔

وہ نفرت بھرے لہجے میں پھنکار رہا تھا۔

"پاپا! جب ماما مجھے چار دن پہلے آپ لوگوں کو بتائے بغیر آپ کے گھر کے دروازے پر چھوڑ گئیں اور آپ لوگ...... مجھے بتائے بغیر یہاں نہیں تھے تو پھر میں کہاں جاتی اس رات اگر یہاں نہ آتی تو؟"

وہ بھی تلخی سے بولی کہ شاید باپ کو اپنی غلطی کا کچھ احساس ہو سکے۔

"مثال! میری ایک بات یاد رکھنا' یہ دونوں ماں بیٹے کبھی بھی تمہارے ساتھ مخلص نہیں ہو سکتے اور تم کسی ایسے موقع پہ کسی دشمن کے پاس رک جانا مگر ان کے پاس نہیں آنا۔ اور آج تو میں تمہیں یہاں لینے آگیا ہوں اگلی بار تم نے ایسی حرکت کی تو میں کبھی تمہیں لینے نہیں آؤں گا' اوکے۔"

مثال ساکت سی باپ کے سرد چہرے کو دیکھتی رہ گئی۔

حنا اس سے بہت متاثر ہوئی تھی جس طرح ان چار دنوں میں اس نے ذکیہ کی خدمت کی تھی۔

"مامی! میں اب جب بھی پاپا کی طرف آؤں گی' ایک دو راتیں ضرور یہاں آکر رکا کروں گی پھر دیکھیے گا ہم نانی کو چند دنوں میں کرسی پر خود بیٹھنے کے قابل کر دیں گے۔ ہے نا۔" وہ بہت جوش سے حنا سے وعدے وعید کر کے گئی تھی۔



"مثال! تم اپنی ماں سے بہت مختلف ہو' بہت سمجھ دار' بہت سلجھی ہوئی اور بہت حساس ورنہ تمہاری عمر کی بچیاں اس طرح کب کسی کا خیال رکھتی ہیں۔ تم بہت اچھی ہو اور مجھے تمہارا انتظار رہے گا صرف مجھے ہی نہیں تمہاری نانی کو بھی۔ وہ بھی تم سے بہت پیار کرتی ہیں اور ان چار دنوں میں تو اور بھی تم سے مانوس ہو گئی ہیں۔"

حنا بہت متاثر لہجے میں کہہ رہی تھی۔

اور جو پاپا کہہ رہے تھے۔

وہ دکھ سے صرف آنسو پی کر رہ گئی۔

"پاپا اگر آپ نانو کی حالت دیکھتے' ان کی بے بسی' ان کی بے چارگی تو شاید آپ کو یہ سب کہنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ یہ وہ نانو نہیں تھیں جو بہت کروفر سے بات کرتی تھیں جن کا مغرور انداز انہیں ساری محفل میں الگ کرتا تھا۔ یہ تو بہت بے چاری سی بہت مسکین عورت تھیں جو آپ کی' میری ہم سب کی تھوڑی سی ذرا سی توجہ چاہ رہی ہیں اور بس۔" وہ دل میں سوچتی رہ گئی۔

پھر رات بھر عدیل نے اس سے کوئی بات نہیں کی۔ ایک بار اس بات پہ ہلکی سی معذرت بھی نہیں کی کہ وہ لوگ بتائے بغیر چلے گئے تھے تو اسے تکلیف ہوئی ہوگی۔

عفت کا موڈ گھر میں الگ آف تھا۔

دن بھر اسے اکیلے گھر میں کام کرنا پڑا تھا۔ عدیل تاکید کے باوجود اسے رات گئے واپس لے کر آگیا تھا جب وہ رات کے کھانے کے برتن پٹخ پٹخ کر دھو رہی تھی۔

مثال خود بہت تھکی ہوئی تھی' وہ خاموشی سے دادی کے کمرے میں چلی گئی۔

پورے گھر میں اس کے بستر کی جگہ صرف نسیم کے کمرے میں ہی بن سکی تھی۔

وہاں نسیم کی بک بک اور یہ جان کر کہ وہ چار دن ذکیہ کے گھر میں گزار کر آئی ہے' وہ آدھی رات تک غصے اور نفرت سے مثال پر چلاتی رہی تھیں۔

اور مثال دونوں کان تکیے کے اندر گھسیڑے ساری رات یوں پڑی رہی جیسے وہ اس کمرے میں موجود ہی نہیں۔

اس کا جی ہر شخص سے اچاٹ ہو گیا تھا۔

یہاں ہر کوئی مطلبی' دوغلا اور خود غرض تھا' خواہ وہ اس کی ماں تھی' اس کا باپ' نانی' دادی' ماموں' سوتیلا باپ' سوتیلی ماں۔ وہ ہر رشتے سے مایوس ہو چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

"کل بیس اکتوبر ہے نا مام؟" آئینہ تیرہ سال کی ہو چکی تھی۔ اپنے ہوم ورک کی کاپی پہ ڈیٹ لکھتے ہوئے وہ رک کر بشریٰ سے پوچھنے لگی۔

"بیس اکتوبر...... تو مثال کی برتھ ڈے ہے۔" وہ عجیب دھیان سے چونکی تھی۔

اور بیٹھے بیٹھے انگلیوں پر کچھ گننے لگی۔

"بیس سال کی ہو گئی مثال۔ مائی گاڈ!" اسے جیسے بیٹھے بیٹھے جھٹکا سا لگا تھا۔

یوں بھی آج کل اسے بہت کچھ بھولنے لگا تھا۔

احسن کمال کے پیروں کو پھر باہر کے چکر نے اپنی جانب کھینچنا شروع کر دیا تھا۔

سیفی دو سال پہلے انگلینڈ چلا گیا تھا ہائر اسٹڈیز کے لیے مگر آج کل وہ آیا ہوا تھا۔

احسن کمال کا کسی آسٹریلین کمپنی کے ساتھ بزنس بہت زبردست طریقے سے چل رہا تھا اور بہت سوچ بچار اور

حساب کتاب کے بعد اس نے آسٹریلیا شفٹ ہونے کا ارادہ کرلیا تھا۔
بشریٰ اس تبدیلی کے لیے رضامند نہیں تھی۔ دونوں کے درمیان روز ہی اس بات پر بحث ہوتی اور بغیر کسی نتیجے کے ختم ہو جاتی۔ وہ آج کل بہت ڈسٹرب تھی۔

مثال کہاں ہوتی ہے آج کل؟ ادھر ہے یا باپ کی طرف' وہ اکثر یہ بھی بھول جاتی۔
سیفی بھی باپ کا ہم خیال تھا اور دونوں ہی چند مہینوں میں یہاں سے سب کچھ وائنڈ اپ کر کے آسٹریلیا شفٹ ہونے کے حق میں تھے۔ بشریٰ نے اپنی مرضی اور خواہش کا اختیار دوسری بار گھر بچانے کے خیال سے، جو چھوڑا تھا۔ وہ آج تک اسی طرح احسن کمال کی مرضی اور خواہش پر چلتی آرہی تھی۔

"مثال کہاں ہے آئینہ؟" وہ بے چین سی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
"آئی ڈونٹ نومام۔" آئینہ ہوم ورک کرتے ہوئے لاپروائی سے بولی۔
"ٹھیک ہے اگر احسن کمال کو یہاں سے جانا ہی ہے تو میں مثال کی شادی کر کے ہی جاؤں گی۔ اس کا گریجویشن تو ہونے ہی والا ہے۔" وہ سیڑھیاں اترتی چڑھتی سارے گھر میں مثال کو دیکھتی خود سے باتیں کر رہی تھی۔
مثال اس کی توقع کے عین مطابق اوپر ٹیرس پر تھی اور ڈوبتے سورج کی قرمزی شعاعوں کو تکتے ہوئے جانے کیا سوچ رہی تھی حال کے بارے میں ماضی کے بارے میں یا اپنے آنے والے کل کے بارے میں۔
بشریٰ کتنی دیر اس کے پیچھے کھڑی اسے دیکھتی رہی۔
مثال نے کتنا اچھا قد کاٹھ نکالا تھا' اس کی رنگت دودھیا نہیں تھی مگر گندمی سنہری مائل جس میں عجیب سی کشش تھی۔ اس کی سنہری مائل آنکھیں اور لائٹ براؤن سے بال اس کے چہرے کو اور بھی پرکشش بناتے تھے۔
بشریٰ کو بے اختیار اپنی بیٹی پر پیار آگیا۔
"ہیپی برتھ ڈے مائی ڈیر مثال ــــ میری جان!" وہ بے اختیار اس کے پیچھے سے لپٹتے ہوئے مسرور لہجے میں بولی۔
مثال کے لیے ماں کا یوں وش کرنا کسی شاک سے کم نہیں تھا۔ وہ ماں کے یوں لپٹنے پر بھی ساکت سی رہ گئی' فوراً کوئی رد عمل نہ دے سکی۔
بشریٰ اب اس کا ماتھا' اس کے رخسار چوم رہی تھی۔ مثال اسی طرح بغیر پلکیں جھپکائے ماں کو دیکھے جارہی تھی۔
"مثال! میری جان! تم نے مجھے یاد کیوں نہیں دلایا کہ آج تمہاری برتھ ڈے ہے۔" وہ اسے پیار کرتے ہوئے شکایتی لہجے میں بولی۔
"کیونکہ مجھے یہ بات خود بھی یاد نہیں تھی۔" وہ عجیب روکھے میکانکی انداز میں بولی۔
بشریٰ لمحہ بھر کو کچھ بول ہی نہیں سکی۔
کتنے سالوں سے وہ خود بھی مثال کی برتھ ڈے نہ تو منا سکی تھی نہ یاد رکھ کر اسے وش ہی کر سکی تھی۔
"آج آپ کو کیسے یاد آگیا۔" وہ گلہ کرنا تو نہیں چاہتی تھی مگر جانے کیسے اس کے لبوں سے پھسل گیا۔
"میری مثال بیس سال کی ہو گئی۔ میں صرف یہ سوچ کر حیران ہوں کہ میری بیٹی اتنی بڑی ہو گئی اور مجھے پتا بھی نہیں چلا۔"
وہ عجیب جذباتی پن میں بیٹی کو پیار کر رہی تھی۔
"اس سے کیا ہوتا ہے ماما؟" وہ مایوس سے لہجے میں بولی۔

بشریٰ اس کے چہرے کے اطراف میں بکھرے بال سمیٹنے لگی۔

"تمہارا فائنل کب ہے گریجویشن کا؟" وہ یوں عام سے لہجے میں پوچھ رہی تھی جیسے وہ دونوں ماں بیٹی روز اسی طرح ایک دوسرے کے پاس بیٹھ کر۔ روزمرہ کی باتیں کرتی ہیں۔

"تین چار ماہ ہیں ابھی تو۔" وہ سرسری لہجے میں بولی۔

بشریٰ اسی طرح محبت لٹاتی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

"ایک بات پوچھوں مثال؟" وہ بہت رازدرانہ انداز میں بولی۔ مثال کچھ حیرانی سے ماں کو دیکھنے لگی۔

"تم میری بات کا غلط مطلب نہیں لینا جان!" وہ جلدی سے صفائی دیتے ہوئے بولی۔

"میں سمجھی نہیں مما!" وہ آہستگی سے بولی۔ اسے بشریٰ کے رویے سے الجھن سی ہو رہی تھی۔

"تم اب بڑی ہو چکی ہو اور میں جانتی ہوں۔ بحیثیت ماں میں نے تمہاری ذمہ داریاں اس طرح نہیں نبھائیں جس طرح مجھے نبھانی چاہیے تھیں' تمہارے بہت سے حقوق میں نے نظر انداز کیے اور تمہیں وہ محبت بھی نہیں دی جس کی تم حق دار تھیں۔ مجھے اپنی تمام تر کوتاہیوں کا احساس ہے مثال؟" وہ نم لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"لیکن میں چاہتی ہوں۔ اب آئندہ آنے والے دنوں میں میں تمہارے ساتھ جانے یا انجانے میں کچھ برا نہ کروں۔ کیا تم اپنی ماں پر بھروسا کرو گی مثال؟"

وہ جانے کس بات کے لیے اتنی لمبی تمہید باندھ رہی تھی مثال کو الجھن سی ہونے لگی تھی۔

"آپ کو جو کہنا ہے' آپ مجھ سے کہہ سکتی ہیں مما!" وہ آہستگی سے بولی بشریٰ اسے دیکھتے ہوئے کچھ سوچ رہی تھی۔

اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے نوخیز بشریٰ اس کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی ہو۔

"تم۔۔۔ تمہیں کوئی پسند ہے مثال! میرا مطلب ہے تم کسی کو پسند کرتی ہو۔"

بشریٰ کی تمہید جتنی لمبی اور اکتا دینے والی تھی۔ سوال اتنا ہی چونکا دینے والا اچانک سا تھا۔

"ماما!" وہ پریشان ہو گئی۔

"میری جان! ماں پہ شک نہیں کرنا میں تمہیں غلط نہیں سمجھ رہی ہیں میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ میری بیٹی کو آنے والی زندگی میں بہت سے خوشیاں' بہت محبتیں ملیں اور اگر تم کسی کو پسند کرتی ہو یا تمہیں کوئی چاہتا ہے تو تم مجھے بلا جھجک بتا سکتی ہو میں خود ان لوگوں سے ملوں گی۔ بات کروں گی اور تمہارا رشتہ۔"

مثال ایک جھٹکے سے ماں کو خود سے الگ کرتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔

"جو ذمہ داری آپ نہیں نبھا سکیں۔ آپ چاہتی ہیں کوئی دوسرا اسے نبھائے تاکہ آپ خود اپنی نظروں میں سرخ رو ہو سکیں۔" وہ کٹیلے لہجے میں بولی۔

بشریٰ ساکت سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ مثال کی آنکھوں میں ایک دم سے اجنبیت اتر آئی تھی۔

"مثال تم میری بات نہیں سمجھیں۔"

"میں آپ کو بھی سمجھ چکی ہوں اور آپ کی ذہنیت کو بھی اور آپ کی بات کو بھی۔ اس سے زیادہ میں کچھ بھی سمجھنا نہیں چاہتی۔" وہ تیزی سے وہاں سے چلی گئی۔

بشریٰ گم صم سی وہیں بیٹھی رہ گئی۔

یہ تو اسے اندازہ تھا کہ ایک روز جب کبھی بھی اس نے مثال کے ساتھ پچھلا حساب کتاب کھولا تو وہ یونہی تہی دامن بیٹھی رہ جائے گی۔ خالی جھولی لیے۔

جب اس نے مثال کو کبھی کچھ دیا نہیں تو اس کے دل نے یہ توقع کیسے لگائی کہ وہ جواب میں اسے محبت' چاہت اور وہ خوشی دے گی جو وہ خود اسے کبھی دے ہی نہیں سکی۔

وہ اپنے سارے جذبے تو سیفی اور آئینہ پر لٹا چکی تھی۔ مثال تو اس کے ماضی کی تلخ یادوں کا حصہ تھی جو جب بھی اسے نظر آتی' وہ اس سے نظریں چرا لیا کرتی تھی پھر اب کس بھروسے پر وہ اس کے سامنے اپنے جذبات رکھ رہی تھی۔ اعتماد یا بھروسا لمحے بھر کا کھیل نہیں ہوتا۔ جب وہ ماں ہونے کی حیثیت جتا کر بیٹی کے آگے رکھے گی' وہ آنکھیں بند کر کے اس کی انگلی تھام کر چل پڑے گی۔

"اسے اب یوں بھی میرے سہارے' میری انگلی تھامنے کی ضرورت نہیں اور مثال کسی کو پسند نہیں کرتی۔ یہ تو مجھے اندازہ ہو ہی گیا ہے لیکن پتا نہیں کیوں مجھے چند دنوں سے یہ محسوس ہو رہا ہے اگرچہ میں گھر کی ذمہ داریوں اور احسن کمال کی اس نئی بحث میں بہت الجھی رہتی ہوں' پھر بھی مجھے کئی بار لگا سیفی مثال کو بہت الگ سی نظروں سے دیکھتا ہے جیسے وہ اسے دل ہی دل میں پسند کرنے لگا ہو۔ اسے چاہنے لگا ہو' جب سے وہ یو کے سے واپس آیا ہے۔ اس کی نظریں مثال کے لیے بدلی ہوئی ہیں۔

اگر ایسا کچھ ہو جائے تو میری مثال ہمیشہ کے لیے میرے پاس ہی رہ جائے گی اور میں ہمیشہ کے لیے اپنی بیٹی کی محرومیاں دور کرنے کی کوشش کروں گی۔ میں آج کل ہی کسی بہانے سے سیفی کو ٹٹولتی ہوں تو پھر اس سے بات کروں گی۔" اس کے دل میں انوکھا خیال جاگا تھا' وہ بیٹھے بیٹھے مسکرانے لگی۔

☼ ☼ ☼

اور یہ ٹھیک ان ہی دنوں کی بات ہے' جب واثق انجینئرنگ کرنے کے بعد نوکری کی تلاش میں دربدر بھٹک رہا تھا۔

اور اکثر وہ دور چھت پر بیٹھی مثال کو دیکھتا اور اس کے اسکیچ بناتا تھا۔

پھر ایک رات جب وہ یونہی پگلی پون کے ساتھ کسی خوشبودار جھونکے کی طرح اس سے آ ٹکرائی تھی۔

دونوں سحر زدہ سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے تھے۔

اور ان ہی دنوں میں جب اسے ایک معمولی سی کمپنی میں ایک بہتر جاب ملی تھی اور مثال اسے اکیلی ملی اور وہ اس کو مخاطب کرنے کی جرات کر بیٹھا اور اس نے کس بے خوفی سے اس کے منہ پر تھپڑ جڑ دیا تھا۔

اب تو اتنی ملاقاتیں واسطہ' بلاواسطہ ہو چکی تھیں کہ واثق کو وہ بہت اپنی اپنی سی لگنے لگی تھی۔

مثال کے حافظے سے بھی وہ محو نہیں ہو سکا تھا۔

جس رات وہ اس سے ٹکرائی تھی۔ اس رات اور بعد میں آنے والی بہت سی راتوں میں اس کی مضبوط بانہوں کا حصار اسے بہت بے چین رکھتا رہا تھا۔ اتنے سارے اپنوں کے درمیان اجنبی رویے اسے اندر ہی اندر بہت کمزور کر چکے تھے۔

بظاہر وہ لاتعلق' بے نیاز رہتی۔ بے حس' بے تاثر چہرہ لیے۔ عفت کو اور بھی غصہ آتا کہ اس لڑکی پر کسی بات کا اثر کیوں نہیں ہوتا مگر وہ اندر سے بہت ڈرپوک اور سہمی ہوئی تھی۔

وہ دوبارہ کبھی عاصمہ کے گھر نہیں گئی تھی۔

اگرچہ دو ایک بار وہ دن کی روشنی میں وہاں سے گزری تھی مگر وہ مشفق عورت اس کے قدموں کو اور بھی تیز کر گئی۔

اسے اچھا نہیں لگتا تھا کہ وہ اس کے حالات جان کر اس پر ترس کھائے اس سے ہمدردی کرے۔ وہ اب کسی کو بھی یہ نہیں بتاتی تھی کہ پاپا کے گھر سے آ رہی ہے یا ماما کے گھر۔۔۔

وہ آج کل صرف ایک ہی بات سوچ رہی تھی کہ ـــــ جلد سے جلد گریجویشن کرتے ہی اپنے لیے کوئی جاب تلاش کرنا ہے اور اپنے پیروں پہ خود کھڑے ہونا ہے۔

احسن کمال اور بشریٰ کے درمیان روز ہونے والی بحث بھی اسے چوکنا کر گئی تھی۔ وہ جانتی تھی' جلد یا بدیر احسن کمال کی جیت ہو گی اور بشریٰ کو سب کچھ سمیٹ کر اس کے ساتھ آسٹریلیا جانا ہی پڑے گا۔

اور اس سب کچھ میں مثال تو کہیں بھی نہیں ہو گی اور عفت اسے مستقل اپنے گھر میں ٹھہرانے پہ کبھی بھی راضی نہیں ہو گی۔

تو ایسے میں اسے ـــــ خود کو مضبوط کرنا تھا۔ وہ ہمدردی اور بے چارگی کا نشان بن کر لوگوں کے لیے مثال نہیں بننا چاہتی تھی۔

نسیم کا پانچ سال پہلے انتقال ہو گیا تھا اور ذکیہ تو وہ جب آخری باران کی خدمت کر کے آئی تھی۔ اس کے ایک ماہ بعد ہی زندگی کے آزار سے رہائی پا گئیں۔ عدیل کو دوبارہ کبھی اسے ٹوکنا نہیں پڑا تھا کہ وہ ذکیہ اور عمران سے کبھی نہیں ملے گی۔

پریشے بہت خوب صورت نکلی تھی۔ قد کاٹھ میں بھی تیرہ چودہ سال کی عمر میں وہ مثال کے برابر آ گئی تھی' جو دیکھتا وہی اس کے حسن کا مداح ہو جاتا عفت کا سر فخر سے اٹھ جاتا۔

پریشے کا اصل حسن اس کی معصومیت تھی۔ وہ اس حسن پر مغرور نہیں تھی لیکن اس معصومیت میں بھی بہت بے نیازی تھی وہ جب موڈ ہوتا مثال سے ٹھیک طرح بات کرتی موڈ نہ ہوتا تو مثال کے بلانے پر اس کی طرف دیکھتی بھی نہیں تھی۔

دانی ایک لاپرواہ سا لڑکا تھا جسے مثال میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ شروع سے عفت کی یہ بات سمجھ گیا تھا کہ یہ تمہاری سوتیلی بہن ہے۔ تم اس سے جتنا بھی لگاوٹ کا مظاہرہ کرو گے یہ ٹھیک پندرہ دن بعد یہاں سے چلی جائے گی۔

دانی نے کبھی اسے دل سے بہن نہیں سمجھا تھا۔

ان لوگوں کی ایک مکمل فیملی تھی جس میں مثال کی جگہ نہیں تھی۔ نسیم بیگم کی وفات کے بعد اس کا کمرہ پریشے کے حصے میں آ گیا تھا۔ اوپر والا پورشن کرائے پر تھا۔ صرف چھت ان کے پاس تھی جس پر مثال کبھی کبھی تنہائی کی تلاش میں جا کر بیٹھ جایا کرتی تھی۔

اور آج بھی وہیں بیٹھی بشریٰ کی بات کو نئے سرے سے سوچ رہی تھی۔

"مثال تم کسی کو پسند کرتی ہو؟" اس نے ماں کی بات کو کس طرح سختی سے رد کیا تھا مگر اب چھم سے وہ چہرہ اس کے سامنے آ گیا تھا جو اس کے اچانک بہت قریب تھا۔

"نہیں' مجھے اس کے بارے میں نہیں سوچنا۔" وہ سر جھٹک کر اٹھی اور یونہی چھت پہ ٹہلنے لگی۔

اور دوسرے لمحے وہ ساکت سی رہ گئی۔

وہی لڑکا یک ٹک اس کو دیکھے جا رہا تھا' مثال کے قدم جیسے وہیں جکڑے رہ گئے۔

دونوں بہت دور سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے جیسے بہت قریب محسوس کر رہے تھے۔

واثق نے دور سے ہاتھ ہلا کر اسے وش کیا تھا۔

وہ جھینپ کر بھاگتی ہوئی سیڑھیاں اتر کر نیچے چلی گئی۔

نہ چاہتے ہوئے بھی رات تک اس کے دل کی دھڑکنیں اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھ کر اتھل پتھل ہوتی رہی تھیں۔

"کدھر دھیان ہے تمہارا؟ کھانے میں نمک کی جگہ چینی ڈالنے لگی تھیں مثال! تم جب بھی اپنی ماں کے گھر سے ہو کر آتی ہو، مجھے زچ کر کے رکھ دیتی ہو۔ کیا پٹیاں پڑھا کر بھیجتی ہے وہ عورت تمہیں؟" عفت کو جی بھر کر اس پر غصہ آ رہا تھا۔ زور زور سے بولتی چلی گئی۔

"ماما کہتی ہیں، جب آپ بابا کی ساری تنخواہ۔ ان کی ہر چیز پر قابض ہیں۔ ان کی سیلری میں سے ایک جوڑا کپڑوں کا تمہیں نہیں بنا کر دیتیں تو پھر تم بھی مثال اس گھر کا کوئی کام نہیں کیا کرو۔ تم نوکرانی نہیں ہو عفت بیگم کی۔"

وہ باقاعدہ کمر پر ہاتھ رکھے نڈر لہجے میں بول رہی تھی۔ عفت کی آنکھیں تو جیسے پھٹنے کو تھیں۔

"یہ۔۔۔ یہ تمہاری ماں نے بکواس کی؟" وہ شاکڈ زدہ سی تھی۔

"بالکل سچ کہا ماما نے، لیکن میں نے ان سے کہا چونکہ میں بابا سے بہت محبت کرتی ہوں تو صرف اس لیے کہ عفت ماما، بابا کو میرے خلاف اکسائیں نہیں۔ میں ان کے گھر کا کام کر دیتی ہوں ورنہ کوئی میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتا۔" وہ ٹونٹی سے ہاتھ دھو کر کھانا ادھورا چھوڑ کر باہر نکل گئی۔ پتا نہیں کیوں آج اس کا جی ہر کام کو الٹا کرنے کو چاہ رہا تھا اور اب عفت کچن میں کس طرح جل بھن رہی ہوگی۔ سوچ کر ہی مثال کو ہنسی آ رہی تھی۔

"مگر وہ لڑکا!" اس نے بے اختیار آنکھیں رگڑیں، وہ تو اس کے دھیان کی ٹکٹکی سنبھال کر بیٹھ گیا تھا۔

"مجھے بھولتا کیوں نہیں؟" وہ بے بسی سے سیڑھیوں میں بیٹھ کر پھر اسی کو سوچنے لگی۔

☼ ☼ ☼

عاصمہ پر تو جیسے شادیٔ مرگ طاری ہو گیا تھا۔

ہاشم بھائی، ان کی بیوی صاعقہ اپنے دونوں بیٹوں وقار اور وقاص کے ساتھ اتنے سالوں بعد پاکستان آئے تھے۔ اور دونوں میاں بیوی نے آتے ہی اریبہ اور اریشہ کا ہاتھ مانگ لیا تھا۔

"اور ہم پندرہ دن میں نکاح، رخصتی کروا کے اپنی بیٹیوں کو ساتھ لے کر جائیں گے۔" صاعقہ بھابھی کی بات پر عاصمہ کو لگا، ابھی خوشی سے اس کا دل بند ہو جائے گا۔

"بھابھی! یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ! میں تو ابھی۔۔۔ میں نے تو ایسا کچھ بھی نہیں سوچا۔"

وہ کانپتی آواز میں بول رہی تھی۔

"واثق! تم بھی تو بولو ناں کچھ؟" ہر ایسے مشکل وقت میں وہ واثق کو پکارا کرتی تھی، سو اب بھی یہی کیا۔

"میرے خیال میں امی! اس میں کچھ ایسا حرج بھی نہیں، صرف ایک بار اریشہ اور اریبہ سے پوچھ لیتے ہیں، انہیں اگر کوئی اعتراض نہیں ہو تو۔۔۔ کیوں ماموں؟" واثق ہاشم کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

"تمہاری ماں شروع ہی سے ایسی ہے واثق! اچانک اس کے سر پہ خدانخواستہ غم کی خبر ہو یا خوشی کی بات پڑ جائے تو یہ ہاتھ پاؤں چھوڑ دیتی ہے۔ بہت ننھا دل ہے اس کا۔ اماں کہا کرتی تھیں۔ میری بیٹی کا دل تو چڑیا جیسا ہے۔" ہاشم بہت پرانی بات یاد کرتے ہوئے بولے تو عاصمہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"سچی بات تو یہ ہے عاصمہ باجی! کہ مجھے گٹھیا کے اس مرض نے کہیں کا بھی نہیں چھوڑا، یوں سمجھیں جیسے تیسے زندگی کی گاڑی کو کھینچ رہی ہوں۔ پہلے ہاشم کی صرف جاب تھی سعودی عرب میں تو ارادہ تھا۔ کبھی نہ کبھی یہاں آ جائیں گے مگر اب تو ان کا اور دونوں بیٹوں کا بزنس اللہ کے فضل سے جم گیا ہے وہاں تو واپسی تو مشکل ہے اور گھر چلانے کے لیے تو ہمیں صرف آپ کی بیٹیوں کا خیال آیا کہ جس طرح کی سلجھی ہوئی، سمجھ دار آپ ہیں ویسی ہی اریبہ اور اریشہ ہوں گی۔ بس آپ ہمیں انہیں دے دیں۔ ہم سمجھیں گے آپ نے ہمارا مان رکھ لیا۔"

صاعقہ کم گو عورت تھی پھر عمر بھر اپنی بیماری کے ہاتھوں عاجز رہی۔



اور آج وہ جس طرح عاجزی سے بات کر رہی تھی۔ عاصمہ کو لگا، اللہ نے اس کی عمر بھر کی ریاضتوں کا حساب یک مشت چکا دیا ہو، وہ بھابھی کے گلے لگ کر روتے ہوئے مسکرانے لگی۔

☼ ☼ ☼

وہ لائبریری سے باہر نکل رہی تھی۔

پیلے رنگ کے گھسے ہوئے کاٹن کے سوٹ میں دوپٹہ اچھی طرح لپیٹے پسینے کے قطرے اس کی پیشانی پہ چمک رہے تھے جب بے دھیانی میں تیزی سے سیڑھیاں اترتے وہ اوپر آتے واثق سے ٹکرا گئی۔

دونوں کے ہاتھوں میں موجود کتابیں گر گئیں۔ واثق نے دونوں کتابیں اٹھا لیں۔

وہ سیدھی ہو کر پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ دلچسپ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"پلیز، میری کتابیں واپس کریں۔" وہ اس کی نظروں کے ارتکاز سے گھبرا کر بولی۔

"آپ مان کیوں نہیں لیتیں کہ قدرت واقعی ہم دونوں کو بار بار ملانے سے یوں سر راہ ٹکرانے سے کوئی خاص بات بتانا چاہتی ہے۔" وہ شوخی سے بولا۔

"لگتا ہے، آپ کو وہ تھپڑ بھول گیا ہے۔" وہ طنزیہ لہجے میں جتا کر بولی۔

وہ بے اختیار ہنس پڑا۔

"مجھے لگتا ہے، آپ بہت ہتھ چھٹ ہیں۔ یونہی ہر راہ چلتے کو تھپڑ جڑ دیتی ہیں۔" وہ بھی طنزیہ لہجے میں بولا۔

"آپ نے کیا مجھے ایسی ویسی لڑکی سمجھ رکھا ہے۔"

"جو سمجھ رکھا ہے، وہ تو آپ مجھے سمجھنے نہیں دے رہیں اور میں آپ کو کیا سمجھوں گا۔" وہ معنی خیزی سے بولا۔

"پلیز میری کتاب واپس کریں۔" وہ زچ ہو کر بولی۔

"انٹرویو میں کامیاب ہونے کے سو گر۔" وہ کتاب کا ٹائٹل پڑھنے لگا مثال چڑ کر اسے کہنے لگی۔

"ویسے ایک مشورہ دوں' آپ یہ کتاب واپس کر آئیں۔ اس کتاب میں بے کار قسم کے سوگر ہوں گے۔ میں آپ کو پریکٹکلی ہزار ٹپس دے سکتا ہوں انٹرویو میں کامیاب ہونے کے لیے۔ آخر تجربہ بھی کوئی چیز ہے۔" وہ سینہ پُھلا کر بولا۔

مثال نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے کتاب جھپٹ لی اور جانے کے لیے مڑی۔

"تو آپ کو جاب کی تلاش ہے۔ کیا میں آپ کی کچھ مدد کر سکتا ہوں اس سلسلے میں؟" وہ پیچھے سے سنجیدگی سے بولا تو مثال ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگی۔

واثق نے آہستگی سے کارڈ نکال کر اس کے سامنے کیا۔

"اگر میری مدد کی ضرورت ہو تو اس نمبر پر کال کر لیجئے گا' جاب خود چل کر آپ کے پاس آجائے گی۔"

وہ کارڈ کتاب کے کونے میں رکھ کر تیزی سے وہاں سے چلا گیا۔

مثال کچھ دیر یونہی کھڑی رہی' پھر کونے سے وہ کارڈ نکال کر پڑھنے لگی اور کچھ سوچتے ہوئے باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

وہ بہت گہری نیند سو رہی تھی۔

اتنی گہری کہ وہ یہ بھی بھول گئی کہ وہ کس گھر میں سو رہی ہے، بشریٰ کے یا عدیل کے۔

اس کے چہرے پر کوئی سرسراہٹ ہو رہی تھی۔

اور پھر وہ سرسراہٹ اس کی گردن تک آگئی۔ اس کا دم جیسے گھٹنے لگا تھا۔

اس نے گہری نیند میں خود کو جیسے آزاد کرانے کے لیے ادھر ادھر سر مارا مگر اس کا وجود جیسے کسی شکنجے میں کستا چلا جا رہا تھا۔

وہ بے بس سی ہو گئی مگر نیند کا غلبہ اس مزاحمت میں کچھ کم ہو گیا۔ کوئی اسے کھینچ رہا تھا۔ گھسیٹ رہا تھا۔

اس نے ایک زوردار چیخ ماری۔

کسی نے اس کے منہ کے آگے ہاتھ رکھ کر اس کی آواز بند کرنے کی کوشش کی اس کا دوپٹہ اس کے کپڑے۔ دوسرے لمحے ایک قیامت ٹوٹ پڑنے کا احساس تھا جو وہ چیختی چلی گئی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

رخسانہ نگار عدنان

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصلحتاً بیٹا بہو سے لگاوٹ دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پا جاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا قمیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل قمیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن فوزیہ کی ساس زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بشریٰ اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کر دیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروقی صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کرکے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کرکے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آرہے ہوتے ہیں کہ ڈکیتی کی واردات میں قتل ہو جاتے ہیں۔

عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے وصول کر پاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کر رہا ہے۔

اسلام آباد سے واپسی پر عدیل دونوں مقتولین کو دیکھتا ہے۔ زاہدہ نسیم بیگم سے بیس لاکھ روپے سے مشروط فوزیہ کی

رخصتی کی بات کرتی ہیں۔ سو سب پریشان ہو جاتے ہیں۔ عدیل بشریٰ سے ذکیہ بیگم سے تین لاکھ روپے لانے کو کہتا ہے۔

حمیدہ خالہ عاصمہ کو سمجھاتی ہیں کہ عدت میں زبیر کا اکیلے اس کے گھر آنا مناسب نہیں ہے۔ لوگ باتیں بنا رہے ہیں جبکہ عاصمہ کی مجبوری ہے کہ گھر میں کوئی مرد نہیں۔ اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور سارے کام اس نے خود کرنے ہیں۔ وہ جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔ عاصمہ کے کہنے پر زبیر کسی مفتی سے فتویٰ لے کر آجاتا ہے کہ دوران عدت انتہائی ضرورت کے پیش نظر گھر سے نکل سکتی ہے بشرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر آجائے' سو وہ عاصمہ کو مکان دکھانے لے جاتا ہے۔ اور موقع سے فائدہ اٹھا کر اسے اپنی ہوس کا نشانہ بناتا ہے اور وہیں چھوڑ کر فرار ہو جاتا ہے۔

رقم مہیا نہ ہونے کی صورت میں فوزیہ کو طلاق ہو جاتی ہے۔ نسیم بیگم جذباتی ہو کر سو فیصد اس کے گھر والوں کو مورد الزام ٹھہرانے لگتی ہیں۔ اسی بات پر عدیل اور بشریٰ کے درمیان خوب جھگڑا ہوتا ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو دھکا دیتا ہے۔ اس کا ابارشن ہو جاتا ہے۔ عدیل شرمندہ ہو کر معافی مانگتا ہے مگر وہ ہنوز ناراض رہتی ہے اور اسپتال سے اپنی ماں کے گھر چلی جاتی ہے۔

اسی اسپتال میں عدیل عاصمہ کو دیکھتا ہے جسے بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا ہوتا ہے۔ عاصمہ اپنے حالات سے تنگ آکر خودکشی کی کوشش کرتی ہے تاہم بچ جاتی ہے۔ نو سال بعد عاصمہ کا بھائی ہاشم پریشان ہو کر پاکستان آجاتا ہے۔ عاصمہ کے سارے معاملات دیکھتے ہوئے ہاشم کو پتا چلتا ہے کہ زبیر نے ہر جگہ فراڈ کرکے اس کے سارے راستے بند کر دیے ہیں اور اب مفرور ہے۔ بہت کوششوں کے بعد ہاشم' عاصمہ کو ایک مکان دلاپاتا ہے۔

بشریٰ اپنی واپسی الگ گھر سے مشروط کر دیتی ہے۔ دوسری صورت میں وہ علیحدگی کے لیے تیار ہے۔ عدیل سخت پریشان ہے۔ عدیل مکان کا اوپر والا پورشن بشریٰ کے لیے سیٹ کروا دیتا ہے اور کچھ دنوں بعد بشریٰ کو مجبور کرتا ہے کہ وہ فوزیہ کے لیے عمران کا رشتہ لائے۔ نسیم بیگم اور عمران کسی طور نہیں مانتے۔ عدیل اپنی بات نہ مانے جانے پر بشریٰ سے جھگڑتا ہے۔ بشریٰ بھی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتی ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو طلاق دے دیتا ہے اور مشال کو چھین لیتا ہے۔ مشال بیمار پڑ جاتی ہے۔ بشریٰ بھی حواس کھو دیتی ہے۔ عمران بہن کی حالت دیکھ کر مشال کو عدیل سے چھین کر لے آتا ہے۔ عدیل عمران پر اغوا کا پرچا کٹوا دیتا ہے۔

عاصمہ اسکول میں ملازمت کرلیتی ہے مگر گھریلو مسائل کی وجہ سے آئے دن چھٹیاں کرنے کی وجہ سے ملازمت چلی جاتی ہے۔ اچانک ہی فوزیہ کا کہیں رشتہ طے ہو جاتا ہے۔

انسپکٹر طارق دونوں فریقین کو سمجھا بجھا کر مصالحت پر آمادہ کرتے ہیں۔ ذکیہ بیگم کی خواہش ہے کہ عدیل' مشال کو لے جائے' تاکہ وہ بشریٰ کی کہیں اور شادی کر سکیں۔ دوسری طرف نسیم بیگم بھی ایسا ہی سوچے بیٹھی ہیں۔ فوزیہ کی شادی کے بعد نسیم بیگم کو اپنی جلد بازی پر پچھتاوا ہونے لگتا ہے۔

انسپکٹر طارق ذکیہ بیگم سے بشریٰ کا رشتہ مانگتے ہیں۔ ذکیہ بیگم خوش ہو جاتی ہیں' مگر بشریٰ کو یہ بات پسند نہیں آتی۔ ایک پراسراری عورت عاصمہ کے گھر بطور کرائے دار رہنے لگتی ہے۔ وہ اپنی حرکتوں اور انداز سے جادو ٹونے والی عورت لگتی ہے۔ عاصمہ بہت مشکل سے اسے نکال پاتی ہے۔

بشریٰ کا سابقہ منگیتر احسن کمال ایک طویل عرصے بعد امریکا سے لوٹ آتا ہے۔ وہ گرین کارڈ کے لالچ میں بشریٰ سے منگنی توڑ کر نازیہ بھٹی سے شادی کرلیتا ہے' پھر شادی کے ناکام ہو جانے پر ایک بیٹے سیفی کے ساتھ دوبارہ اپنی چچی ذکیہ بیگم کے پاس آجاتا ہے اور دوبارہ بشریٰ سے شادی کا خواہش مند ہوتا ہے۔ بشریٰ تذبذب کا شکار ہو جاتی ہے۔

بشریٰ اور احسن کمال کی شادی کے بعد عدیل مستقل طور پر مشال کو اپنے ساتھ رکھنے کا دعوا کرتا ہے مگر بشریٰ قطعی نہیں مانتی' پھر احسن کمال کے مشورے پر دونوں بمشکل راضی ہو جاتے ہیں کہ مہینے کے ابتدائی پندرہ دنوں میں مشال بشریٰ کے پاس رہے گی اور بقیہ پندرہ دن عدیل کے پاس۔ گھر کے حالات اور نسیم بیگم کے اصرار پر بالآخر عدیل عفت سے شادی کرلیتا ہے۔ والدین کی شادی کے بعد مشال دونوں گھروں کے درمیان گھن چکر بن جاتی ہے۔ بشریٰ کے گھر میں سیفی اور احسن اس کے ساتھ کچھ اچھا برتاؤ نہیں کرتے اور عدیل کے گھر میں اس کی دوسری بیوی عفت۔ مشال کے لیے مزید زمین تنگ بشریٰ

اور عدیل کے نئے بچوں کی پیدائش کے بعد بڑھ جاتی ہے۔ مشال اپنا استعفا لکھ بھیجتی ہے۔ احسن کمال اپنی فیملی کو لے کر ملائیشیا چلا جاتا ہے اور مشال کو تاریخ سے پہلے عدیل کے گھر بھجوا دیتا ہے۔ دوسری طرف عدیل اپنی بیوی بچوں کے مجبور کرنے پر مشال کے آنے سے قبل اسلام آباد چلا جاتا ہے۔ مشال مشکل میں گھر جاتی ہے۔ پریشانی کی حالت میں اسے ایک نشئی تنگ کرنے لگتا ہے تو عاصمہ آکر اسے بچاتی ہے۔ پھر اپنے گھر لے جاتی ہے۔ جہاں سے مشال اپنے ماموں کو فون کرکے بلواتی ہے اور اس کے گھر چلی جاتی ہے۔

عاصمہ کے حالات بہتر ہو جاتے ہیں۔ وہ نسبتاً" پوش ایریا میں گھر لے لیتی ہے۔ اس کا کوچنگ سینٹر خوب ترقی کر جاتا ہے۔ اسے مشال بہت اچھی لگتی ہے۔ مشال 'واثق کی نظروں میں آچکی ہے تاہم دونوں ایک دوسرے سے واقف نہیں ہیں۔

عاصمہ کا بھائی ہاشم ایک طویل عرصے بعد پاکستان لوٹ آتا ہے اور آتے ہی عاصمہ کی بیٹیوں اریشہ اور اریبہ کو اپنے بیٹوں وقار 'وقاص کے لیے مانگ لیتا ہے۔ عاصمہ اور واثق بہت خوش ہوتے ہیں۔

مشال کو نیند میں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی اسے گھسیٹ رہا ہے۔

## –۱۸–
## اٹھارہویں قسط

بشریٰ گہری نیند سو رہی تھی۔

احسن کمال کے فون پر کوئی میسج آیا۔ ہلکی سی میسج ٹون پر بشریٰ نے کچھ ناگواری سے کروٹ بدلی تھی۔

بہت مہینوں سے اس کی نیند کم ہوتی جا رہی تھی۔ اور کروٹ بھی بدلتا تو فوراً" اس کی آنکھ کھل جاتی اور پھر بہت کوشش کے باوجود کافی دیر تک وہ سو نہیں پاتی تھی۔

تنگ آکر اس نے سلیپنگ پلز لینا شروع کر دی تھیں مگر احسن کمال نے اسے ایسا کرنے سے سختی سے روکا تھا۔

کچھ دنوں کی بے چینی کے بعد اس کی نیند کچھ بہتر ہو ہی چلی تھی مگر ابھی جو میسج ٹون سے آنکھ کھلی تھی۔ وہ مکمل طور پر جاگ چکی تھی۔

"مجھے احسن سے سیفی اور مشال کے بارے میں بات کرنی چاہیے۔ احسن نے کبھی مشال کو ناپسند تو نہیں کیا۔ بس اس کے انداز میں مشال کے لیے ایک سرد مہری سی ہے۔ جو کہ ایک نیچرل عمل ہے' وہ مشال کا سگا باپ تو ہے نہیں۔

ہاں اگر سیفی اور مشال کا رشتہ طے ہو جاتا ہے تو احسن خود بخود مشال کو پسند کرنے لگے گا جیسے آج کل سیفی۔۔۔

اس کے ہونٹ خود بخود مسکرانے لگے۔

شام میں جب مشال لان میں اپنی کتاب لیے کوئی سوال رٹنے میں بری طرح سے مگن تھی تو سیفی کے لیے جوس لے کر آتی بشریٰ نے خود دیکھا تھا وہ کس محویت سے مشال کو دیکھنے میں مگن تھا۔

سیفی کی مشال کے لیے پسندیدگی بہت دنوں سے کم از کم بشریٰ سے ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ وہ مشال پر بہت توجہ دے رہا تھا اور پہلے کی طرح بات بات پر اس سے الجھتا بھی نہیں تھا۔ مشال کچھ بات کرتی تو بہت متوجہ ہو کر اس کی طرف دیکھتا رہتا تھا۔ بلکہ آئینہ نے بھی ایک دوبار طنز سے کہہ دیا کہ "مما! لگتا ہے بھائی بہت شریف ہو گئے ہیں۔ اب وہ مشال آپی سے بالکل بھی دنگا فساد نہیں کرتے۔"

اور بچی بات تو یہی ہے کہ آئینہ کے یوں کہنے پہ ہی بشریٰ نے سیفی کے رویے کی تبدیلی کو محسوس کرنا شروع کیا تھا۔

"ہو سکتا ہے مثال بھی اس تبدیلی کو محسوس کر چکی ہو' وہ بھی تو اب سیفی سے جھگڑا نہیں کرتی۔"

"تو گویا معاملہ دو طرفہ ہے۔" وہ بے اختیار ہی مسکرانے لگی۔

"اگر ایسا ہے تو پھر احسن کمال کی مخالفت خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو' زیادہ دیر جم نہیں سکے گی۔ یوں بھی وہ سیفی کی پسند کو رد کرنے کی ہمت نہیں رکھتا۔۔۔ مائی گاڈ۔ اگر ایسا ہو جائے تو میری مثال پھر ہمیشہ کے لیے میرے پاس میرے گھر میں رہ جائے گی۔"

ایک بہت ہی خوش کن' دل فزا احساس۔

وہ کہنیوں سے ٹیک لگا کر اب بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگا چکی تھی۔ احسن کمال گہری نیند میں تھا۔

"یہ بھی ہو سکتا ہے سیفی مثال کو اپنے ساتھ یو کے لے جانا چاہے۔ اگر ایسا ہو گیا تو یہ بھی برا نہیں' اچھا ہے' دونوں ایک دوسرے کے قریب رہیں گے۔ ایک دوسرے کے ساتھ بہت اچھا وقت گزاریں گے۔ اس گھر میں تو ہو سکتا ہے سیفی کی دلہن بنا دینے کے بعد بھی احسن میری مثال کو وہ مقام نہ دے سکے جو وہ ڈیزرو کرتی ہے۔"

وہ اپنے خیالوں میں بہت دور نکل گئی تھی۔

"بہت سادہ' معصوم اور بے زبان سی ہے میری مثال' اللہ کو اس کی سادگی پہ رحم آیا ہے' جو اتنا اچھا رشتہ جیسے خود چل کر اس تک آیا ہے۔ اب میں عدیل کو بتاؤں گی کہ اصل میں مثال سے پیار کس کو ہے۔" اس نے زعم بھرے طنطنے سے سوچا۔

"اور اس عدیل کو تو کبھی بھی اپنی ذمہ داریاں ڈھنگ سے نبھانی نہیں آئیں۔ اس نے تو ابھی مثال کی شادی یا رشتے کی بات کے بارے میں سوچا بھی نہیں ہو گا۔ یہ تو صرف ماں ہوتی ہے' جو ایسی باتیں سوچتی ہے' جسے بیٹیوں کی فکر ہوتی ہے اور میں نے تو دیکھا ہے بلکہ اس بات کو برداشت کیا ہے کہ وہ اپنی نئی شادی اور بچوں میں مگن ہو کر مثال کو بالکل بھلا بیٹھا ہے۔ وہ جب بھی وہاں سے آتی ہے تو کیسی زرد اور اکھڑی سی ہوتی ہے' اسے عدیل کے گھر میں نہ توجہ ملتی نہ پوری خوراک۔

عدیل تو تھا ہی شروع سے ایسا۔ جب اس کا جھکاؤ ایک طرف ہوتا تھا تو دوسرے کو بالکل بھول جاتا تھا۔ اچھا ہے مثال کے رشتے کے لیے مجھے اس کی منتیں نہیں کرنا پڑیں گی۔

اور جب سیفی اور مثال کے رشتے کا اس کو پتا چلے گا تو اس کے منہ پر پڑے گی اور۔۔۔"

"کیا بات ہے بشریٰ! کیا نیند نہیں آ رہی۔ اس طرح کیوں بیٹھی ہو؟" احسن کمال نے کروٹ لیتے ہوئے اسے یوں بیٹھے دیکھا تو نیند میں بھاری آواز میں پوچھنے لگا۔

بشریٰ اس کی طرف دیکھ کر یوں کھل کر مسکرائی' جیسے رات کی نیند پوری کر چکی ہو اور وہ دونوں صبح دم کی سیر کے بعد واپس لوٹے ہوں اور کسی بہت دلچسپ موضوع پر کھل کر دیر سے بات کر رہے ہو۔

"نہیں بس آنکھ کھل گئی تو پھر نیند نہیں آئی اور میں نے بھی سونے کی کوشش نہیں کی۔"

وہ خوش دلی سے مسکرا کر نظروں میں احسن کے لیے پیار سمو کر بولی۔

"سو جاؤ' سونے کی کوشش کرو۔" وہ اس کے انداز سے بے خبر لمبی سی جمائی لیتے ہوئے بولا۔

"کچھ دیر جاگ لو ناں میرے ساتھ۔ مجھے نیند نہیں آ رہی۔" وہ پھر سونے جا رہا تھا۔ اس کے ارادے کو بھانپتے ہی وہ جلدی سے اس کا بازو پکڑ کر کچھ دلبری سے بولی۔

"یار۔۔۔ نیند آرہی ہے بہت۔ تمہیں پتا ہے پھر آفس کا بھی نکلنا ہے۔ صبح اٹھنا مشکل ہو جائے گا۔۔۔" بھاری بوجھل آواز میں کہہ کر وہ سستی سے اٹھتے ہوئے بولا۔

"ٹائم کیا ہو رہا ہے؟" وہ سائیڈ ٹیبل پر پڑا سیل فون اٹھا کر ٹائم دیکھنے لگا۔

"ڈھائی بجے ہیں۔۔۔ اچھی بھلی نیند خراب کردی ہے تم نے میری بھی اور اپنی بھی۔" وہ کچھ کوفت بھرے لہجے میں بولا۔

"مجھے تو خیر نیند آہی نہیں رہی تو خراب کیا ہو گی۔ تھوڑی دیر باتیں کر لیتے ہیں تو پھر نیند آنے لگے گی۔" وہ آخر میں کچھ معصومیت سے بولی۔

"بھلا اس وقت کوئی کیا بات کر سکتا ہے؟" وہ اسی بے زار لہجے میں کوفت سے بولا۔

"بہت سی ایسی باتیں جنہیں دن میں کرنے کا موقع ملتا ہے نہ ٹائم مصروفیت اور دوسرے کاموں کی وجہ سے۔" بشریٰ کچھ جتانے والے انداز میں اسے دیکھ کر بولی۔

وہ کچھ چونک سا گیا۔

"اچھا ایسی کون سی باتیں ہوتی ہیں جو رہ جاتی ہیں۔ میرا تو خیال ہے میں بزنس کے ساتھ تمہیں گھر اور بچوں کو بالکل برابر ٹائم دے رہا ہوں۔" وہ سر کھجا کر ہمیشہ کی طرح ایک ذمہ دار رویے کو ظاہر کرتے ہوئے کچھ غرور سے بولا۔

"بچوں ہی کے بارے میں میں بھی سوچ رہی تھی۔" بشریٰ اسے کن انکھیوں سے دیکھ کر بولی۔

احسن کمال نے اسے کچھ حیرانی سے دیکھا۔

"میں سمجھا نہیں۔۔۔ بچوں کے بارے میں ایسی کون سی بات ہے جو تم مجھے ری مائنڈ کروانا چاہتی ہو۔" وہ بشریٰ کے یوں جتانے والے انداز پر قدرے ناگواری سے بولا۔

"کچھ سیریس نہیں۔" بشریٰ اس کے ایسے انداز پر ہمیشہ ہی سے کچھ گھبرا جایا کرتی تھی۔

"بچے بڑے ہو گئے ہیں۔" وہ اسے دیکھ کر ذرا رک کر بولی۔

احسن کمال اسے عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"یہ وہ بات ہے جو دن بھر میں کرنے سے رہ جاتی ہے تمہارے خیال میں یا جسے میں نظر انداز کر رہا ہوں۔" وہ کچھ کڑوے پن سے بولا۔

"نہیں بالکل نہیں۔۔۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ تم نظر انداز کر رہے ہو۔ یونہی۔۔۔ ابھی نیند نہیں آرہی تھی تو مجھے خیال آیا کہ بچے بڑے ہو گئے ہیں۔ سیفی کی اسٹڈیز مکمل ہونے میں بس سال ڈیڑھ سال کا تو ٹائم رہ گیا ہے۔" وہ جلدی جلدی صفائی دینے والے انداز میں بولی۔

"ہوں وقت۔۔۔ تو واقعی کافی تیزی سے گزرا ہے۔" احسن کمال نے اس تمام وقفے میں پہلی بار کچھ سکون بھرے لہجے میں کہا۔

"ابھی سیفی بچہ تھا اور میری انگلی پکڑ کر اسکول میں ایڈمٹ ہونے جا رہا تھا اور مجھے تو وہ دن بھی بہت اچھی طرح سے یاد ہیں' جب اس نے کتنی جلدی تمہیں ماں کی جگہ قبول کر لیا تھا اور اس کے بعد ہمیشہ تمہیں اپنی سگی ماں ہی سمجھا بلکہ میں تو سمجھتا ہوں وہ مجھ سے زیادہ تم سے۔۔۔ قریب ہے۔ جو بات مجھ سے نہیں کرتا تم سے کر لیتا ہے۔"

وہ پہلی بار مسکرا کر بہت لگاوٹ سے بولا۔ بشریٰ نے دل میں اطمینان بھرا سانس لیا کہ اب اگر وہ مشال اور سیفی کے رشتے کی بات کرتی بھی ہے تو احسن اس کو کسی طرح کی بدنیتی خیال نہیں کرے گا۔

"ہوں۔۔۔ یہ تو ہے۔ میرے بہت قریب ہے وہ۔ بہت محبت بھی کرتا ہے بلکہ میں آج کل دیکھ رہی تھی وہ کسی میں دلچسپی بھی لے رہا ہے۔ اس کی ایٹی ٹیوڈ ڈویلپ ہو رہی ہیں ایک بالکل نئے انداز میں۔" وہ بہت مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

احسن کو بشریٰ کا انداز کچھ دھماکا خیز سا لگا تھا۔ وہ اسے کچھ حیرانی سے دیکھنے لگا۔

کون ہے وہ؟" وہ بہت آہستگی سے بولا جیسے اسے ڈر ہو کہ اس کی سماعتیں بہت غیر متوقع نام سنیں گی۔

اس کا انداز ڈرا ڈرا سا تھا۔ بشریٰ یونہی مسکرانے لگی کہ دوسرے لمحے گھر میں ایک دل دوز چیخ گونجی۔

"یہ کون ہے؟ آئینہ کی آواز تھی۔ وہ ڈر گئی شاید۔" احسن بستر سے چھلانگ لگا کر اترا۔

"یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ تو مشال کی آواز ہے۔ اوپر سے آئی ہے۔ آئینہ تو ساتھ والے بیڈ روم میں ہے۔"

بشریٰ کی آواز کانپنے لگی تھی۔۔۔ جانے کیوں۔

وہ بے ربط قدموں سے گرتی پڑتی کمرے سے باہر نکل کر اندھیرے میں اوپر کی طرف بھاگی تھی۔

☆ ☆ ☆

جب وہ احسن کمال کے مشال کے بیڈ روم میں داخل ہونے کے ڈیڑھ منٹ بعد داخل ہوئی تو وہاں کا منظر دیکھ کر اسے لگا، وہ وہیں کھڑی کھڑی پتھر کی طرح آدھی زمین کے اندر گڑ گئی ہے۔

ایسا منظر تو اس نے کبھی خواب میں، خیال میں، کسی برے گمان، بدترین دھیان میں بھی نہیں سوچا تھا۔۔۔ نہ دیکھا تھا۔

مگر جو کچھ نظر آ رہا تھا، وہ آنکھ کا دھوکا تھا نہ سراب۔۔۔ نہ کوئی برا خواب۔ کبھی نہ بھلائی جانے والی ٹھوس حقیقت۔۔۔ کسی بھیانک خواب سے زیادہ خوفناک۔۔۔ مگر خواب سے بہت آگے کی چیز!

بشریٰ کا دل بند سا ہونے لگا تھا۔

اس کی مشال۔۔۔ اس کی زندگی۔۔۔ اس کا مان۔۔۔ اس کا سب کچھ، اس کی تمام عمر کی کمائی۔۔۔ جیسے اپنے بیڈ روم میں نہیں، سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پہ بالکل بے آسرا پڑی تھی۔ بشریٰ کو لگا۔ وہ یہ منظر دیکھنے کے بعد اب بہت دن جی نہ پائے گی۔

مشال کا دوپٹا تو جانے کہاں تھا مگر اس کی سرخ شرٹ گریبان کے پاس سے نیچے تک ادھڑی ہوئی۔۔۔ نہیں بری طرح سے پھٹی ہوئی تھی۔

آستین کہنی سے یوں لٹک رہی تھی جیسے درزی ماسٹر آستین کے ساتھ آدھا ٹانکا لگانے کے بعد جوڑنا بھول گیا ہو۔

اس کے رخسار کے پاس سرخ کھرونچ تھی۔

اور آنکھوں میں اتنی بے بسی، بے کسی، ویرانی اور خالی پن جیسے وہ انیس بیس سال کی کوئی لڑکی نہ ہو، برسوں سے ویران پڑا اجڑا پجڑا گھر ہو۔۔۔ کھنڈر بننے کو، ڈھے جانے کو بس گر جانے کو تیار!

"قسم۔۔۔ قسم لے لیں پاپا۔۔۔ اس لڑکی نے خود مجھے اپنے فون سے ابھی۔۔۔ کچھ دیر پہلے خود کال کر کے۔۔۔ اپنے روم میں خود۔۔۔ خود بلوایا۔ میں تو سو رہا تھا گہری نیند میں تھا۔۔۔ آپ تو جا۔۔۔ جانتے ہیں میں رات میں جلدی سوتا

ہوں۔۔۔ اس نے فون کیا مجھے۔ یہ مجھ سے کوئی بہت ضروری بات کرنا چاہتی ہے۔ بہانے سے۔ جھوٹ سے دھوکے سے۔ اس نے خود مجھے بلایا۔

میں نہیں سمجھا۔۔۔ سمجھ نہیں سکا کہ اس نے مجھے کیوں بلایا ہے۔ میں نیند سے اٹھ کر آگیا اور۔۔۔ اس نے۔۔۔ اس کی نیت بری تھی۔

یہ۔۔۔ اچھی لڑکی نہیں ہے۔۔۔ آپ تو جانتے ہیں پہلے بھی میں۔ میں نے بتایا تھا آپ کو۔۔۔ یہ مختلف لڑکوں کے ساتھ۔۔۔ پھرتی ہے میں نے خود دیکھا ہے اسے۔۔۔ ڈیڈی پاپا۔۔۔ پلیز۔"

سیفی اپنے گریبان کے ٹوٹے بٹنوں کو اس بے ربط گفتگو کے دوران دزدیدہ نظروں سے تلاشتا رہا تھا۔

اس کی شرٹ کے گریبان کے اوپر کے تین بٹنوں میں سے ایک مثال کے تکیے پہ پڑا تھا۔ دوسرا کمبل کے اوپر اور تیسرا احسن کمال کے قدموں میں۔

"میں نے کچھ بھی نہیں کیا پاپا۔۔۔ میں تو آیا اس کے روم میں۔۔۔ یہاں اندھیرا تھا۔۔۔ اور پھر یہ خود مجھ سے

میں نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی۔۔۔ تو یہ مجھ۔۔۔ مجھے بلیک میل کرنے لگی۔۔۔ مجھے کہنے لگی کہ میں اس سے شادی کرلوں۔۔۔ اور یہ۔۔۔ میں نے اسے پیچھے ہٹایا۔۔۔"

سخت سردی میں سیفی کے ماتھے پر پسینے کے قطرے تھے۔

احسن کمال بالکل خاموش تھا۔ اس کی آنکھوں میں غصہ اور طیش تھا مگر کس کے خلاف۔۔۔ بشریٰ اندازہ نہیں کرپائی۔

مثال آنکھیں بند کیے چہرہ جھکائے اب بالکل ساکت تھی۔ وہ رو بھی نہیں رہی تھی۔

معلوم نہیں وہ جیتی کیسے تھی۔۔۔ یا پھر سیفی ٹھیک کہہ رہا تھا۔ یہ سب کچھ مثال نے جان بوجھ کر۔

"نہیں۔۔۔ نہیں ایسا کبھی نہیں ہوسکتا اور مثال ایسا کرے گی۔ کبھی ممکن نہیں۔" بشریٰ وہیں ساکت کھڑی

آندھی کی طرح چلتے خدشوں کے طوفان کو جھٹلائے جارہی تھی۔

"یہ۔۔۔ میں نے اس کی بات نہیں مانی۔۔۔ میں نے۔۔۔ میں اسے سمجھا رہا تھا۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر اس نے جب دیکھا۔۔۔ میں بالکل ایگری نہیں ہوں۔

پھلو کی پاپا۔۔۔ اس نے زور زور سے خود ہی چیخنا شروع کر دیا اور خود اس نے اپنے کپڑے بھی۔۔۔ اس نے اپنا یہ حال خود سے کیا تو۔۔۔ میں بالکل بھی نہیں سمجھ سکا کہ یہ اس طرح مجھے ٹریپ کرنا چاہتی ہے سی از سو کننگ۔"

سیفی کا وضاحتیں دیتے دیتے اب سانس پھولنے لگا تھا۔

مثال نے بہت آہستگی کے ساتھ۔۔۔ کانپتے ہاتھوں سے۔۔۔ اپنے پاؤں کے پاس پڑا آدھا بیڈ سے لٹکا کمبل بمشکل کھینچ کر اپنی گردن تک خود کو اس میں چھپا لیا۔

"پاپا! آپ نہیں۔ مجھے تو غلط نہیں سمجھ رہے۔ جبکہ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔۔۔ میں اس لڑکی کو پسند کرتا ہوں۔ یو نو۔۔۔ مجھے یہ کبھی اچھی نہیں لگی۔"

وہ اب کے باپ کے بالکل سامنے دو قدم کے فاصلے پر کھڑا ہو گیا تھا۔ باپ کی مسلسل خاموشی نے اسے کچھ کنفیوز کر دیا تھا مگر پھر بھی وہ سنبھل سا گیا تھا۔

احسن کمال نے ذرا سی گردن ترچھی کر کے پیچھے مجسمہ کی طرح ساکت کھڑی بشریٰ کو دیکھا۔

وہ آہستگی سے ایک قدم آگے بڑھ کر مثال کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس کی نظریں مثال کے جھکے چہرے پہ تھیں۔

"تمہیں۔۔۔ ایسا کرتے ہوئے ایک پل کو بھی خیال نہیں آیا کہ اس گھر کے تم پہ کیا کیا احسانات ہیں۔۔۔ بغیر کسی احسان جتائے میں نے ہمیشہ تمہیں اپنی سگی اولاد کے برابر کھڑا کیا۔ ہر وہ چیز لے کر دی جسے میں نے اپنے بچوں کے لیے پسند کیا ان کی ہر خوشی اور پسند میں تمہیں بھی شامل کیا۔ تمہاری ہر ضرورت کا خیال رکھا۔۔۔ اور تم نے یہ صلہ دیا ہمیں؟"

"تمہیں شاید ہماری عزت اور احسان کا پاس نہیں تھا۔ تم نے اپنی ماں کی عزت کا بھی خیال نہیں کیا لڑکی!"

اور سارا معاملہ صاف ہو گیا۔

پھٹے گریبان اور مجروح حالت کے باوجود سارا جرم مثال کے سر تھوپ دیا گیا تھا۔۔۔ وہی غلط تھی اور خطاوار بھی!

بشریٰ پہ وہ سرا پہاڑ ٹوٹا۔ وہ تڑپ کر رہ گئی۔

پہلے خوفناک منظر نے اگر اسے پتھر کا کر دیا تھا تو احسن کمال کے اس الزام نے جیسے اسے ہلا کر رکھ دیا۔

"احسن! یہ تم کیا کہہ رہے ہو تم جانتے ہو۔۔۔ تمہیں نظر آ رہا ہے۔ مثال ایسا کیونکر کر سکتی ہے۔۔۔ وہ میری بیٹی ہے۔۔۔ وہ اس طرح کی گھٹیا حرکت کبھی نہیں کر سکتی۔۔۔ وہ۔۔۔ یہ اس ٹائپ کی لڑکی نہیں۔۔۔ میری مثال ایسا کبھی نہیں کر سکتی۔" وہ جیسے پھٹ پڑی۔

"اور یہ سیفی۔۔۔ میں جانتی ہوں اسے۔۔۔ یہ بہت دنوں سے مثال پہ بری نظر رکھے ہوئے تھا اور اب اپنے اس گھناؤنے جرم کو چھپانے کے لیے میری بیٹی پہ ایسا گھٹیا الزام لگا رہا ہے۔"

بہت دنوں، بہت سالوں بعد لیکا یکی بشریٰ کو محسوس ہوا تھا کہ اس کی مثال کو اس وقت جتنی اپنی ماں کی ضرورت ہے زندگی میں کبھی نہیں رہی ہوگی۔

اسے اپنی بانہوں میں، دل میں چھپا کر اس دنیا کی گندگی سے دور لے جانا چاہیے۔

وہ بے اختیار آگے بڑھی اور مثال کو اپنے سینے میں چھپا کر اپنے ساتھ بھینچنے لگی۔

مشال کا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔

"پوچھیں اس سے۔۔۔ اس نے یہ گھٹیا حرکت کرنے کی جرأت کیسے کی۔ میری بیٹی کوئی لاوارث یا بے سہارا نہیں۔ یتیم نہیں یا راہ میں پڑا لاٹ کا کوئی مال نہیں جس پر اس نے ایسی بے خوفی سے ہاتھ ڈالا۔" وہ غصے میں بغیر سوچے سمجھے بولے چلے جارہی تھی۔

"تمہیں بے یتیم تو اس کے بے شرم باپ سے کہوا سے لے جائے۔ میں نے کیا اس لڑکی کی دکھولی کا ٹھیکہ اٹھا رکھا ہے عمر بھر کے لیے اور بشریٰ۔۔۔ تم۔۔۔ تمہیں ہوش ہے کہ تم کیا بکواس کررہی ہو۔ کس پر اس دیدہ دلیری سے الزام رکھ رہی ہو؟ تمہاری بیٹی ایسی پاک باز اور باحیا ہے تو میرا بیٹا بھی ایسا نہیں۔ میں اس کے کردار کی قسم اٹھانے کو تیار ہوں۔ میرا خون ایسا گندہ اور گھٹیا نہیں ہو سکتا۔ یہ شر' یہ فساد' صرف تمہاری بیٹی کا پھیلایا ہوا ہے۔ سیفی کو اس نے دھوکے سے کال کرکے اپنے کمرے میں رات کے اس پہر گندی نیت سے بلایا ہے۔"

احسن کمال بیٹے کو بچانے کی خاطر بشریٰ کو نیچا دکھانے کے خیال سے یا پھر مشال سے پیچھا چھڑانے کے اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے سامنے نظر آتی ننگی سچائی سے یوں نظریں چرائے گا۔ لمحہ بھر کو بشریٰ ششدر سی رہ گئی۔

"تم۔۔۔ کہہ رہے ہو کہ۔۔۔ یہ سب کچھ مشال نے خود کیا ہے۔۔۔ اپنی عزت خود۔۔۔ نہیں احسن! تم ایسا سوچ بھی کیسے سکتے ہو۔ تم نے میری بیٹی کو اتنا ہلکا' اتنا گرا ہوا سمجھا ہے۔ یہ ایسا کبھی نہیں کرسکتی۔ یہ مر تو سکتی ہے مگر۔۔۔ ایسا۔۔۔ کبھی نہیں۔ میں نہیں مان سکتی۔" بشریٰ مشال کو اپنے ساتھ چمٹائے اب کے مضبوط اور بے لچک لہجے میں بول رہی تھی۔

"تم مجھے جھٹلاؤ گی۔۔۔ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ یہ میرے بیٹے نے کیا؟ تم یہ کہہ رہی ہو۔" وہ جیسے غصے میں بے قابو ہو رہا تھا۔

سیفی کے چہرے پر اب اطمینان اور سکون تھا۔ اس نے اپنے کھلے گریبان کو بند کرنے کی کوشش بھی ترک کردی تھی۔

وہ بشریٰ اور مشال کو بہت تمسخر بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"پاپا! یہ بہت دنوں سے ایسا کرنے کی کوشش کررہی تھی۔ مجھے اکسانے کی' میری توجہ حاصل کرنے کی۔" وہ جیسے جلتی پہ اور بھی تیل چھڑک کر مزے لینے کو بولا۔

"تم۔۔۔ تم ایسی گھٹیا سوچ رکھتے ہو سیفی! مجھے معلوم نہیں تھا۔ میں نے تمہیں اپنی سگی بیٹی سے بڑھ کر توجہ دی۔ پیار دیا تھا۔ بھول گئی کہ تم کسی دوسری پرائی عورت کے بیٹے ہو۔ اور تم نے یہ صلہ دیا مجھے۔ میری بے لوث محبت کا میری سگی۔۔۔ معصوم بیٹی پہ ہاتھ ڈالا۔ اسے رسوا کرتے ہوئے تم نے یہ کیوں نہیں سوچا۔ اصل میں تم نے میری عزت پہ ہاتھ ڈالا ہے۔ تم نے مجھے رسوا اور ذلیل کرنے کی کوشش کی ہے۔ مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی۔"

بشریٰ کی آواز غم' صدمے اور غصے سے پھٹ رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اس کی دنیا ہی ختم ہوگئی ہو۔۔۔ اس کی اتنے سالوں کی ریاضت' محنت سب ان چند لمحوں میں برباد ہو کر رہ گئی ہو۔

آئینہ جانے کب ان سب کے پیچھے آہستگی سے آکر کھڑی ہوگئی تھی اور منظر کے سیاق و سباق۔ کو سمجھنے کی کوشش کررہی تھی۔

"تم نے کوئی احسان نہیں کیا اگر میرے بیٹے کو پیار اور توجہ دی' ورنہ تم جیسی طلاق یافتہ ایک بچی کی ماں کو کیا مجھ جیسا صاحب حیثیت شخص ایسی فراخدلی سے کبھی اپنا تا۔۔۔ تمہیں اپنے عالیشان گھر میں کسی ملکہ کی طرح عیش و

کر اسے رکھا جبکہ تم اس قابل نہیں تھیں۔"

وہ احسن کمال ایک بالکل بدلا ہوا اجنبی شخص بشریٰ کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ بہت سالوں پہلے جس نے منگنی کے بعد مغرور رویہ اپنایا تھا۔ بالکل وہی احسن کمال۔

بشریٰ بے یقینی سی پھٹی پھٹی آنکھیں لیے اسے دیکھتی جارہی تھی۔

"میں۔۔۔ یہ میں تھا جس نے تمہاری اس بے آسرا بیٹی کو 'جس کا سگا باپ بھی اسے چند دن سے زیادہ برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں نے اپنے گھر میں پناہ دی۔ اس کی ہر ضرورت' ہر خواہش پوری کی اور بدلے میں آج تم میرے سامنے کھڑے ہو کر میرے بیٹے کو پروان چڑھانے کا احسان جتلا رہی ہو۔" وہ غصے میں جیسے دیوانہ ہو چکا تھا۔

لمحہ بھر کو بشریٰ کو لگا اس گھر میں وہ اور مثال اجنبی ہیں اور ان کی حیثیت اس گھر کے ملازموں کے برابر یا شاید ان سے بھی بدتر ہے۔ اور گھر کے مالک ان پر برس رہے ہیں۔ وہ سہم کر رہ گئی۔

بہت سالوں پہلے والا منظر جزئیات کے ساتھ اس کی نظروں کے سامنے آگیا۔

جب ایک پہلے مرد نے اپنے سگے خون کی خاطر اسے اور اس کی بیٹی کو دھتکار دیا تھا۔ انہیں زمانے کی ٹھوکروں میں ڈال دیا تھا۔

اور ابھی چند لمحوں بعد پھر وہی منظر دہرایا جائے گا۔ وہ ابھی ذرا دیر میں اس غصیلے جذباتی احسن کمال کی نفرت کے ہاتھوں اپنے اس دوسرے گھر سے بھی بے دخل کر دی جائے گی۔

لیکن اس وقت میں اور اس میں بہت۔۔۔ بہت فرق ہے' تب مثال چند سال کی کمسن بچی تھی۔

اور بشریٰ کے پیچھے اس کی مضبوط ماں اور بھائی کا سہارا موجود تھا اور آج۔۔۔ تو پیچھے کچھ بھی نہیں تھا۔ اگر وہ یہاں سے نکال دی جاتی تو اس بھرپور جوانی اور قیامت خیز حسن کی مالک بیٹی کو زمانے کی گندی نظروں سے چھپا کر کہاں لے جائے گی۔۔۔ وہ چلا رہا تھا۔

"تمہاری بیٹی اور تم۔۔۔ اصل میں تو ان سب آسائشوں کی حق دار تھیں ہی نہیں اور غلطی سراسر میری ہے ایک پرائے مرد کی اولاد کو اس گھر میں جگہ دینے دی اور آج میرے ہی بیٹے کو مجرم ٹھہرایا جارہا ہے۔۔۔"

تو احسن کمال فیصلہ کر چکا تھا۔۔۔ وہ شاکڈ سی تھی۔

کون مجرم ہے اور کون بے قصور!

"تو ٹھیک ہے۔ اگر یہ سب کچھ کیا دھرا میرے بیٹے کا ہے تو بشریٰ بیگم! تم اپنی اس پاکباز بیٹی کو اپنے ساتھ لو اور اس کے باپ کے گھر یا جہاں تمہیں جگہ ملے' چلی جاؤ۔۔۔ کیونکہ میں تو ایسے احسان فراموش لوگوں کو اپنے گھر میں ایک لمحے کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ جو عمر بھر کھلے چاٹنے کے بعد مجھ ہی پہ ایسا الزام لگائیں۔۔۔ چلو سیفی بیٹا! ہمیں اب اور کوئی بات نہیں کرنی۔" کہہ کر اس نے یوں سیفی کو بازو سے تھام کر ساتھ لگا کر باہر کا رخ کیا جیسے بشریٰ اور مثال نے اس کے ساتھ بہت برا کر ڈالا ہو۔

"پاپا! کیا ہوا ہے؟" آئمہ کوشش کے باوجود پورے معاملے کو مکمل طور پر سمجھ نہیں سکی تھی۔

کچھ سہمے ہوئے انداز میں باپ کے اجنبی تیور دیکھتے ہوئے آہستگی سے پوچھنے لگی۔

"کچھ نہیں جان! تم چلو اپنے روم میں' چل کر آرام کرو۔ ہم صبح بات کریں گے۔" وہ اس پیار اور استحقاق سے اسے دوسرے پہلو میں ساتھ لگائے لے جانے لگا۔

آئمہ نے پیچھے مڑ کر الجھی نظروں سے ماں اور مثال کو دیکھا۔ مثال سے اسے کوئی انسیت تھی نہ لگاؤ اور اب وہ جو اس برے حال میں نظر آرہی تھی تو بھی آئمہ کو اس سے کچھ خاص ہمدردی محسوس نہیں ہوئی تھی۔

مگر اس کا باپ جس طرح اس کی ماں سے چیخ چیخ کر بات کر رہا تھا، وہ سب اسے بالکل بھی اچھا نہیں لگا تھا۔

"پاپا۔۔۔ ممانے کچھ غلط کیا ہے کیا؟ آپ دونوں میں جھگڑا کیوں ہوا ہے اور سیفی بھائی کی شرٹ کیسے پھٹ گئی؟" تین بنیادی سوال۔۔۔ جن کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی احسن کمال میں۔۔۔ اسی لیے تو وہ یہ "شرٹ" لینے کے لیے بشریٰ کو خوفزدہ کرنے کے لیے چیخ چیخ کر بات کرتا رہا تھا۔

"کچھ نہیں جان۔۔۔ تم بلاوجہ پریشان نہیں ہو۔ جا کر اچھی نیند لو اپنے روم میں۔۔۔ صبح ہو گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اوکے۔" وہ اسے ساتھ لگائے باہر نکل گیا۔

کمرے میں گمبھیر خاموشی تھی۔ مثل تو اس سارے ڈرامے کے دوران ایک لفظ بھی نہیں بولی تھی۔ بشریٰ، احسن کمال کے رویے پہ پھر سے پتھر کی بن کر رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"پاپا! کیا حرج ہے پلیز! مان جائیں نہ!" پریشے۔۔۔ عدیل کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے لاڈ سے بولی۔

عدیل کے چہرے پہ گہری سنجیدگی تھی۔

عفت نے کچھ ناگواری سے شوہر کی طرف دیکھا۔۔۔ لاکھ محبت و اپنائیت کے باوجود کبھی کبھی عفت کو لگتا جیسے عدیل بیچ میں کہیں صدیوں کے فاصلے پہ جا کھڑا ہوتا ہے کہ وہ خود بھی چاہتے ہوئے اس تک پہنچ نہیں پاتی۔

"پری ضد کر رہی ہے۔ اس کا دل ہے تو آپ مان جائیں ناں۔" لاڈلی بیٹی کے منہ بسورنے پر عفت کے دل کو کچھ ہوا تو رہ نہ سکی۔

"عفت! میں اس بار مثل کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا۔ پچھلی بار بھی۔۔۔" وہ بولتے ہوئے ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔

"چار پانچ سال ہو گئے اس پچھلی بار کو بھی جسے آپ بھلائے نہیں بھول رہے۔ جب ہمارے اچانک پنڈی جانے کی وجہ سے اسے اپنی نانی کے گھر جا کر چند دن رہنا پڑ گیا تھا۔۔۔ سگی نانی تھیں اس کی۔ کوئی غیر نہیں تھیں وہ۔۔۔ اگر مثل چلی بھی گئی تھی اور اب تو۔۔۔" عفت سخت کوفت بھرے لہجے میں بولتی گئی۔

"اور اب تو اس کی نانی بھی زندہ نہیں۔۔۔ یوں بھی مجھے ایک ہفتے کی چھٹی نہیں مل سکتی آفس سے۔ میں کیسے لے کر جا سکتا ہوں تم لوگوں کو ناردرن ایریاز۔" پتا نہیں کچھ دنوں سے ہی عجب تھکا تھکا سا رہنے لگا تھا۔ عدیل کو کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ دل اچاٹ سا تھا۔

نسیم بیگم کا دو سال پہلے انتقال ہو گیا تھا۔ اس کے بعد سے عدیل کچھ ایسے ہی اکھڑا اکھڑا رہنے لگا تھا۔

عفت کو کم از کم ایسا ہی لگتا۔

"پہلی بیوی کے ساتھ تو میں نے سنا ہے آپ کو تین چھٹیاں بھی ملتی تھیں تو آپ انہیں سیر کے لیے لے جاتے تھے۔ پری نے تو پہلی بار ضد کی ہے۔ میری صابر بچی نے چھٹیاں ہمیشہ گھر میں گزاریں۔ کبھی ضد نہیں کی۔۔۔ اس بار۔۔۔ پری! رہنے دو کوئی ضرورت نہیں پاپا کی منتیں کرنے کی۔ ایک ڈیڑھ ماہ کی چھٹیاں ہیں تمہاری۔ کوئی شارٹ کورس کر لو۔ گزر جائیں گی مصروفیت میں۔" عفت کو سخت برا لگا تھا، عدیل کا یوں پری کو چھٹیوں میں گھمانے کے لیے لے جانے سے منع کرنا۔

عدیل بیوی کو دیکھ کر رہ گیا۔

وہ تو گئے زمانوں کی بھولی بسری بات تھی، جب عدیل اور بشریٰ کی چھٹیاں اکثر سیر سپاٹے میں گزرتی تھیں۔ نسیم اور فوزیہ کی سخت مخالفت کے باوجود!

اور آج اتنے سارے سالوں بعد جوان ہوتی بیٹی کے سامنے عفت نے یہ کیسا طعنہ مارا تھا۔

طعنہ ناقابل برداشت تھا یا اس بیاد کی چوٹ۔ عدیل نے تڑپ کر عفت کی طرف دیکھا اور کچھ کہے بغیر تیزی سے وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔
پریشے نے بُرا سا منہ بنا کر باپ کو جاتے دیکھا۔
"کیا ضرورت تھی آپ کو یہ سب کہنے کی۔ پاپا کا موڈ آف ہو گیا حالانکہ وہ مان جاتے ہیں وہ ایک بار اور کہتی تو۔"
وہ آف موڈ کے ساتھ بولی۔
"تو جاؤ جا کر پاؤں پکڑ لو اپنے باپ کے اگر لے کر جاتا ہے تو۔" عفت غصے میں کہہ کر اٹھ کر چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

مثال دیوار کی طرف کروٹ لیے دیوار کو یک ٹک دیکھتے ہوئے بے آواز آنسوؤں کے ساتھ روئے جا رہی تھی۔
رات کا کریہہ منظر بار بار اس کے دل کو سہمائے جا رہا تھا۔
سیفی کسی عفریت کی طرح جس طرح اندھیرے میں اس پر جھپٹا تھا' وہ شاید تباہ ہی ہو جاتی۔ اگر وہ پوری قوت لگا کر اس کی مزاحمت کو روکتے ہوئے زور سے چیخی نہیں تو!
لیکن جو کچھ احسن کمال نے کہا۔ وہ سیفی کی حرکت سے بھی زیادہ تکلیف دہ تھا۔
ان کے جانے کے بعد وہ بشریٰ کے سینے میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی اور بہت دیر تک روتے رہنا چاہتی تھی مگر اسے لگا۔ بشریٰ پتھر کی بنے بت جیسے سو برفوں میں ڈھل گئی ہے۔ اس کا جسم سرد ہو گیا تھا۔
اس نے ذرا بھی مثال کو اپنی ساتھ نہیں لگایا تھا نہ اس کا سر تھپکا تھا۔ نہ اُسے کوئی تسلی دی تھی نہ کوئی دلاسہ۔ نہ کوئی پیار بھری ہمدردی کا کوئی بول۔
وہ کچھ بھی تو نہیں بولی تھی۔ بالکل خاموش' ساکت اور بے حس تھی۔ جس طرح وہ احسن کے سامنے بولی تھی۔ وہ ساری ہمدردی کہیں سو گئی تھی۔ مثال بہت دیر تک ہچکیوں سے روتی رہی پھر بشریٰ کی خاموشی پر وہ خود ہی کچھ دیر میں خاموش ہو گئی۔
اس نے آہستگی سے خود کو بشریٰ سے الگ کیا۔ بشریٰ بالکل بے دھیان سی گم صم بیٹھی تھی۔ کمرے میں گمبھیر چپ تھی۔ مثال کی سسکیاں بھی خاموش ہو چکی تھیں۔
صرف سرما کی رات کے آخری پہر کی گمبھیر چپ میں ٹک ٹک کرکے گزرتی گھڑی کی سوئیوں کی چاپ تھی۔
بے آواز قدموں کے ساتھ دھیرے دھیرے گزرتا وقت جیسے بہت کچھ اپنے ساتھ بہا کر لے جا رہا تھا۔
سوائے بشریٰ کی بے چارگی' بے بسی اور ذلت کے اسباب! اسباب وہی تھے' صرف ذلت دینے والا شخص بدلا تھا۔
عدیل کی جگہ احسن کمال!
ورنہ اب بھی اس کی حیثیت اتنے سالوں کی گھر ہستی کے بعد وہی تھی۔ صرف تین بولوں سے اس کے وجود کی عمارت کھڑی تھی۔ تین بولوں کا جھٹکا... اور اس کا وجود دھڑام سے اپنے ہی قدموں پر گر جاتا۔
"ماما! میں نے سیفی کو کال نہیں کی تھی۔۔۔ آپ چاہیں تو میرا فون چیک کر لیں۔۔۔ میں تو گہری نیند سو رہی تھی اور میں تو کمرا لاک کر کے سوتی ہوں۔ کمرا لاک تھا۔
مجھے نہیں معلوم اس نے لاک کیسے کھولا اور اندھیرے میں ماما۔۔۔ میں بہت ڈر گئی تھی۔۔۔ اور میں سیفی کو کیوں بلاؤں گی ماما۔۔۔ آپ جانتی ہیں نا میں ایسا نہیں ہے۔۔۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔"
مثال کو ماں کی خاموشی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ لگ رہی تھی۔ وہ رک رک کر صفائی پیش کرنے والے

انداز میں بولی۔ بشریٰ نے اس سارے کے دوران پہلی بار بہت کٹیلی نظروں سے اسے دیکھا۔

"تم یہ ساری بکواس اس شخص کے سامنے نہیں کر سکتی تھیں، جو بیٹی کی پارسائی میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہا تھا۔ اس وقت تو گونگی بنی بیٹھی تھیں۔ منہ میں گھنگھنیاں ڈالے بالکل خاموش تھیں تم۔۔۔ صرف مجھے نیچا دکھانا تھا۔ مجھے جھوٹا پڑوانا تھا۔ تمہاری چپ۔۔۔ تمہاری خاموشی کی وجہ سے وہ دونوں شیر ہوئے۔ اس وقت تو تم یوں سر جھکائے بیٹھی تھیں جیسے واقعی تم نے اس خبیث کو اپنے کمرے میں بلایا ہو۔" وہ جیسے ڈپٹ کر بولی۔

"ماما!" مشال کے سر پہ جیسے کوئی بھاری پتھر آ کر گرا ہو۔ وہ تکلیف سے بلبلا اٹھی تھی۔

احسن کمال کے لفظوں کے تازیانے زم پڑنے لگے تھے بشریٰ کے طعنے کے آگے۔ وہ بس آنکھیں پھاڑے ماں کو دیکھتی رہ گئی۔

"ایک بار پھر۔۔۔ ایک بار پھر جانے میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ پتا نہیں۔ میں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے کہ ہزار کوششوں اور اتنی قربانیوں کے بعد بھی ہر بار ذلت کے اس گڑھے میں مجھے ہی کیوں دھکا دیا جاتا ہے۔"

بشریٰ خود اذیتی سے منہ میں بڑبڑاتے ہوئے بول رہی تھی۔ مشال نا سمجھی سے ماں کی طرف دیکھتی جا رہی تھی۔

"اب میرے ساتھ کون ہے۔۔۔ نہ کوئی گھر نہ کوئی آسرا۔ اگر یہ احسن کمال۔۔۔ جانتی ہوں میں اس کو کتنا بے دید اور بے لحاظ شخص ہے۔ ابھی تین بول کے اور مجھے اپنے گھر سے چلتا کر دے تو میں کہاں جاؤں گی۔ تمہیں ساتھ لے کر۔۔۔ کون پناہ دے گا مجھے۔۔۔ اور یہ منحوس دن بھی مجھے تمہارے باپ کی وجہ سے دیکھنا پڑ رہا ہے، جس نے تمہیں اور مجھے اس حال تک پہنچایا۔ اللہ کرے ساری زندگی وہ خوشیوں کا منہ دیکھنے کو ترسے، جس کی وجہ سے میں نے ہمیشہ دکھ جھیلے۔"

بہت پرانے زخموں پہ جما کھرنڈ کسی نے زور سے کھرچا تھا۔ بشریٰ کے منہ سے تکلیف کے ساتھ کوسنے اور بددعائیں نکل رہی تھیں۔

مشال پھٹی پھٹی آنکھوں سے صرف ماں کو دیکھے جا رہی تھی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ بشریٰ اس کے ساتھ ہونے والے سانحے پر رنجیدہ ہے یا احسن کمال کی دھمکی نے اسے سخت خوف زدہ کر دیا ہے کہ اسے اپنا اور مشال کا بندوبست کہیں اور کرنا پڑے گا۔

"پتا نہیں کیا ہو گا۔ بالکل الٹی کھوپڑی کا آدمی ہے یہ۔۔۔ اور تمہیں چاہیے تھا۔ کمرے کا لاک لگانے کے علاوہ چٹخنی بھی تو ہے اس دروازے کی۔ اسے بند کر کے نہیں سو سکتی تھیں تم۔۔۔ جوان ہو، سمجھ دار ہو۔ ان معاملات کی نزاکت کو سمجھ سکتی ہو کہ تمہیں اپنی حفاظت اب خود کرنی ہے۔ اپنا خیال رکھنا ہے۔۔۔ لیکن نہیں! سارے عذاب ساری مصیبتیں تو خدا نے میری قسمت میں لکھ رکھی ہیں۔" وہ سخت پریشان تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا بولے جا رہی ہے۔

"اٹھو اور چینج کرو۔ اپنا حلیہ ٹھیک کرو اور کمرے کا دروازہ اور کنڈی دونوں اچھی طرح لاک کرو۔ میں آتی ہوں کچھ دیر میں۔" وہ پریشان سی کہہ کر باہر نکل گئی۔ مشال ساکت سی بیٹھی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

سب کچھ اتنی جلدی جلدی اور اچانک ہو رہا تھا کہ عاصمہ اور واثق کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سب کیسے ہو گا۔

اگرچہ ہاشم اور اس کی بیوی نے سختی سے منع کیا تھا کہ انہیں جہیز کے نام پہ کچھ بھی نہیں چاہیے۔ یوں بھی دس بارہ دن کے اندر جہیز کے نام پہ کوئی تیاری تو ہو بھی نہیں سکتی تھی لیکن عاصمہ کو لگ رہا تھا۔

بیٹیوں کے لیے ماؤں کا دیا ہوا جہیز تھوڑا ہو یا زیادہ بہت قیمتی اور انمول ہوتا ہے۔
ہاشم کے علاوہ اریبہ اور اریشہ بھی ماں کو منع کر رہی تھیں مگر وہ پھر بھی۔ دن میں کم از کم بازار کے دو چکر تو ضروری لگاتی تھی۔
دونوں بیٹیوں کے لیے بہت نایاب اور قیمتی مگر استعمال ہونے والی چیزیں بہت دل سے خریدی تھیں۔
تھوڑے سے کپڑے 'تھوڑی سی جیولری' تھوڑے سے مگر بہت منتخب کردہ برتن 'جوتے اور کچھ دوسرا ضرورت کا سامان' اس نے تھوڑا تھوڑا کر کے ان دس بارہ دنوں میں اکٹھا کر ہی لیا تھا۔
واثق ماں کے خیال سے واقف بھی تھا اور متفق بھی!
وہ بھی یہی چاہتا تھا اس کی دونوں بہنیں بہت بھر کر نہ سہی مگر حسب توفیق اپنے حصے کا کچھ نہ کچھ سامان لے کر جائیں۔
"مما! بس کریں نا آپ' تھک جائیں گی جو کام باقی رہ گئے ہیں میں اور اریشہ کر دیں گے۔ آپ ہم پر بھی بھروسا کریں ہم بھی یہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔"
عاصمہ دونوں کے کپڑے پیک کر رہی تھی' جب اریبہ نے محبت سے ماں کے ہاتھ تھام کر انہیں چومتے ہوئے کہا۔
"میری جان! بھروسا مجھے تم دونوں پہ خود سے زیادہ ہے کہ تم دونوں کبھی بھی زندگی کے کسی موڑ پر میری تربیت پہ حرف نہیں آنے دو گی۔ زندگی کے کٹھن مراحل اللہ نہ کرے تمہاری زندگی میں کبھی بھی آئیں لیکن تم ان سے مجھ سے زیادہ بہتر طریقے سے نبرد آزما ہو سکتی ہو' لیکن ابھی یہ کام میرا ہے اسے مجھے ہی کرنے دو۔"
وہ بیٹی کو ساتھ لگا کر بیٹھے لہجے میں بولی۔
"تم دونوں کے چھوٹے چھوٹے کام جس طرح آج تک مجھے اپنے ہاتھ سے کرنے پہ جو خوشی ملتی تھی' یہ سکون میرے ساتھ آخری سانسوں تک رہے گا کہ میں نے اپنی بیٹیوں کے سارے کام خود کیے ہیں۔ تم اس بات کو نہیں سمجھو گی' جب تک خود ماں نہیں ہو گی۔" وہ اس کی ناک کھینچ کر اسے پرے ہٹاتے ہوئے بولی۔
"مما۔۔۔ کیا ہے بس کریں نا۔ مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ چھوڑیں یہ سب اور میرے ساتھ باتیں کریں۔" وہ اڑے سے ساری چیزیں ایک طرف ہٹا کر ماں کو ساتھ لپٹاتے ہوئے بولی۔
عاصمہ کچھ سخت بولتے ہوئے رک گئی۔
اس نے ہاتھ سے سب پرے ہٹا دیا اور دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر اریبہ کا سر اپنی گود میں رکھ کر سکون بھرے انداز میں بیٹھ گئی۔
"ہاں اب بولو۔ کیا باتیں کرنی ہیں تم نے مجھ سے؟" وہ اس کے بال سہلاتے ہوئے پیار سے بولی۔
"مما۔۔۔ اگر پاپا ہوتے تو کیا وہ بھی اسی طرح ہم دونوں کی شادی ایک ساتھ طے کر دیتے۔" وہ آہستگی سے بولی۔
"اریبہ! تم خوش نہیں ہو بیٹا؟" وہ چونک کر بولی۔
"آپ کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی بس۔" وہ اس کی گود میں منہ چھپا کر سسکی' عاصمہ افسردگی سے بیٹی کو دیکھ کر رہ گئی۔
اس درد کو تو وہ خود اتنے دنوں سے دل میں چھپائے پھر رہی تھی کہ خوشی کے ان لمحوں میں یہ سسکی لبوں تک آکر خدانخواستہ کوئی بدشگونی نہ ہو جائے۔
وہ اریبہ کو ہولے ہولے تھپکتے ہوئے کچھ سوچنے لگی۔

✲ ✲ ✲

"یہ کیا کہہ رہے ہو احسن تم؟" بشریٰ احسن کی بات پر دم بخود سی رہ گئی۔ احسن کے چہرے پہ وہی اجنبیت اور بیگانگی تھی 'جو گزری رات کے آخری پہر میں بشریٰ نے اس کے چہرے پر دیکھ کر بہت دور تک بہت کچھ سوچ لیا تھا۔

"اس کے علاوہ تمہارے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ میرا بیٹا سخت ہرٹ ہوا ہے تمہاری اور تمہاری بیٹی کی اس گھٹیا حرکت سے۔ وہ دو ماہ کے لیے گھر آیا تھا اور اب وہ کل واپس جا رہا ہے صرف تم دونوں ماں بیٹی کی وجہ سے۔"
وہ سخت طعن بیاز عورت کی طرح حقارت سے بول رہا تھا۔
اور بشریٰ سے تو کچھ بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔
"کان کھول کر سن لو بشریٰ! یہ گھر میرے بعد میں پہلے یہ سب کچھ سیفی کا ہے۔ میرا ایک ہی بیٹا ہے اور مجھے اپنی ہر چیز سے پیارا ہے۔ میرے بعد میری ہر چیز کا وارث ہے وہ اس کو ناراض کرنے کا مطلب تم سمجھ سکتی ہو۔" وہ مت جتا دینے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"وہ یہاں سے ناراض ہو کر جا رہا ہے اور وہ اتنی بری طرح سے ڈسٹرب ہے کہ اس نے مجھے صاف لفظوں میں کہہ دیا ہے کہ وہ اب شاید ہی کبھی واپس آئے گا۔ مت پوچھو اس وقت سے میرے دل کا کیا حال ہے۔ میرا سیفی اتنے مہینوں بعد گھر آیا اور اب یوں ناراض ہو کر جا رہا ہے۔ اس بات سے میں سخت پریشان ہوں۔" وہ بے کل سے لہجے میں ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
"تم اور تمہاری بیٹی اس سے معذرت کرو۔ اسے روکنے کی کوشش کرو اور جب تک سیفی یہاں ہے اور جب بھی وہ یہاں آیا کرے گا۔ تمہاری بیٹی یہاں نہیں رہے گی۔ وہ اپنے باپ کے گھر جا کر رہا کرے گی۔ میں اسے یہاں سے نکال نہیں رہا مگر وہ تب ہی اس گھر میں رہ سکتی ہے 'جب وہ سیفی سے ایکسکیوز کرے گی اور اس کی موجودگی میں یہاں نہیں رہے گی۔" وہ بے لچک لہجے میں کہتا ہوا ایک غیر اجنبی مرد لگ رہا تھا جسے بشریٰ آج سے پہلے بالکل بھی نہیں جانتی تھی۔
"احسن! یہ ایک بالکل ناحق بات ہے۔ مشال کا اس میں بالکل قصور نہیں ہے اور۔" بشریٰ نے تھوک نگل کر کہنا شروع کیا۔
"تم ابھی بھی اپنی بیٹی کی فیور کرو گی جبکہ میرا بیٹا۔ میرا اکلوتا بیٹا ناراض ہو کر گھر چھوڑ کر جا رہا ہے۔ میرے ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے اور تم ابھی بھی اس پرائے آدمی کی بیٹی کی فیور میں مری جا رہی ہو۔ اتنی محبت تھی اس سے اس کی اولاد سے تو کیوں چھوڑ آئیں اس کے پاؤں پکڑ لیتے تھے اس کی زندگی میں دوبارہ شامل ہونے کے لیے حلالہ کر لیتا تھا۔ جو تم سے جن پڑ ناکر لیتیں اگر اتنی الفت تھی تمہیں اس کے خون سے۔" وہ جاہلوں کی طرح حلق کے بل چیخا تھا۔
بشریٰ ششدر سی رہ گئی۔
"بس۔ تمہیں صاف لفظوں میں بتا چکا ہوں۔ اگر تم نے اس گھر میں رہنا ہے تو تمہیں سیفی سے معافی مانگنا ہو گی۔ اسے جانے سے روکنا ہو گا ورنہ اپنی بیٹی کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔ تمہیں کوئی نہیں روکے گا اور یہ تمہارے لیے کوئی نئی بات نہیں ہو گی بشریٰ بیگم! عادی ہو تم اور تمہاری بیٹی گھر بدلنے کی۔" وہ چلاتا ہوا کہہ رہا تھا۔
بشریٰ کے لیے ایک ایک کر کے وہ سارے راستے بند کرتا چلا جا رہا تھا۔
"اگر وہ سیفی سے معافی بھی مانگ لیتی ہے 'اسے یہاں سے جانے سے روک بھی لیتی ہے۔ مشال کو عدیل کے گھر بھی چھوڑ آتی ہے تو کیا وہ اس احسن کمال جیسے خود غرض 'بے حس شخص کے ساتھ باقی کی زندگی پہلے کی طرح گزار سکے گی؟ جس کی نظروں میں اس کی وقعت دو کوڑی کی بھی نہیں۔" بشریٰ نے کھڑے کھڑے حساب کتاب

کیا تو جیسے اسے خود ہی سے گھن آنے لگی۔

وہ اگر اس کے بعد یہاں رکی بھی تو خود سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہے گی۔

اسے خود پہ بے تحاشا ترس آنے لگا۔

اور سیفی کے اتنے دن یہاں رہنے تک وہ مشل کو کہاں چھوڑ کر آئے اور اتنے انسلٹنگ طریقے سے کہ سیفی کے آنے پر اسے یہاں سے جانا پڑے۔

اور کچھ باہر کھڑی مشل بھی سوچ رہی تھی۔

اس نے جو کچھ دن پہلے بشریٰ اور احسن کمال کے گھر پہ نہ ہونے پر جاب کرنے کا سوچا تھا' اسے اپنا فیصلہ بالکل درست لگ رہا تھا مگر ابھی اسے بشریٰ کے فیصلے کا انتظار کرنا تھا۔ وہ آہستگی سے واپس مڑ گئی۔

بشریٰ تو وہیں نڈھال سی صوفے پر بیٹھ گئی۔ احسن کمال اسے حکم سنا کر جا چکا تھا۔

اور وہ بہت کچھ سوچتے ہوئے بھی کچھ سوچ نہیں پا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

دونوں دلہنیں بنی کسی اور دیس کی شہزادیاں لگ رہی تھیں۔

عاصمہ انہیں نظر بھر کر نہیں دیکھ رہی تھی۔

دیکھتی بھی کیسے' ایک عمر کا خواب تھا۔ لگتا تھا اسے تعبیر بننے میں اس کی ایک اور عمر کام آجائے گی مگر اللہ یوں بھی معجزے دکھاتا ہے۔ وہ بار بار خود کو باور کرا رہی تھی۔

اریبہ اور اریشہ کی شادی یوں اتنی جلدی' اتنی آسانی سے اور اتنی اچھی جگہ ہو جانا' اس کے نزدیک اس صدی کے بہت بڑے معجزے سے کم نہیں تھا۔

گزری رات میں دونوں کو مہندی لگانے کے بعد جب ایک خوشگوار رت جگے کے بعد گھر بھر کے مہمان اور اس کے بچے پلکوں پہ' انگی نیند کے جھولے میں ذرا کی ذرا ہنڈولے لینے لگے تو عاصمہ کی آنکھ پل بھر کو بھی نہیں لگی تھی۔

وہ تو بس گزرے سالوں کی سیاہ راتوں اور تاریک دنوں کو شمار کرتی رہی اور روتی رہی۔ وہ شیطان صفت زبیر جس نے اس کا اور اس کے یتیم بچوں کا سرمایہ حیات ہی نہیں چھینا تھا' اس کے عزت کی چادر بھی تار تار کی تھی۔ اس کی زندگی کا وہ سیاہ ترین پہلو جس سے وہ خود بھی عمر بھر آنکھ چراتی آئی تھی۔

اور اکثر وہ اریبہ کے اچانک کچھ پوچھنے پہ ڈر سی جاتی' کہیں اریبہ کو وہ اندھیری رات یاد تو نہیں آگئی۔ کہیں وہ اس کے بارے میں تو سوال پوچھنے نہیں جا رہی۔

اریبہ کی سوچی آواز پر اس کا دل پل بھر کو تھم کر رہ جاتا تھا پر صد شکر کہ اس کا ذہن بچپن کی اس تاریک شام کو بھلا چکا تھا۔

اور پھر اس کے بعد ایک کے بعد ایک تکلیف دینے والا مرحلہ۔۔۔ جب وہ بچوں کی گزر اوقات کے لیے کیسے نوکری کی خاطر دھکے کھاتی پھرتی تھی۔ یوں حالات کے ہاتھوں روندی ہوئی ٹھوکریں کھا رہی تھی کہ کوئی بھی زندگی سے درست ملنے کی نشاندہی کرتا' وہ اس کے پیچھے چل پڑتی۔

رب نے وہ سارے سیاہ دن اور کالی راتیں کیسے کلٹ دیں کہ پتا بھی نہیں چلا۔۔۔ اس کا وعدہ یقیناً" سچا ہے کہ میں تمہارے بیچ کے دنوں کو یوں مٹا دوں گا' جیسے وہ کبھی آئے ہی نہیں تھے۔

وہ آنکھوں میں اُمڈتے آنسوؤں کو پونچھ رہی تھی' جب واثق آہستگی سے اس کے قدموں کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

"کیا یہ بہتر نہیں تھا امی! کہ آپ گئے دنوں کو یاد کرکے یوں رونے کے بجائے ایسے خوش بخت لمحوں کا شکر ادا کرتیں کہ اللہ نے کس طرح بن مانگے ہماری جھولی میں اتنی ساری خوشیاں بھر دی ہیں؟" وہ انگلیوں کی نرم پوروں سے ماں کی آنکھیں صاف کرتے ہوئے بولا۔

"بے شک اس نے مجھے... ہمیں ہماری بساط' ہماری اوقات سے بہت زیادہ دیا ہے کہ شکرانے کے لیے میں پورا وجود بھی آنسوؤں میں بہا دوں تو کم ہے۔ واثق...! یہ شکر کے آنسو ہیں' جو میری آنکھوں سے روکنے کے باوجود رک نہیں رہے تو سوچا اس اکیلے کونے میں بیٹھ کر اس کو یاد بھی کرلوں اور اس کا شکر بھی ادا کرلوں۔"

وہ بیٹے کو ساتھ لگا کر آنکھیں صاف کرتی کبھی ہنستی کبھی روتی واثق کو بہت معصوم کسی بچی کی طرح سادہ اور بے ریا لگیں۔ وہ ماں کے ہاتھ چوم کر انہیں آنکھوں پر رکھ کر یونہی پُرسکون ہو کر لیٹ گیا۔

☆ ☆ ☆

سیفی نے اس کے ہاتھ ایک بار نہیں کئی بار جھٹک کر حقارت سے پرے کیے۔

وہ بار بار اس کے سوٹ کیس سے کپڑے نکال کر اسے جانے سے منع کرتے ہوئے' کچھ محبت بھری دھونس جما کر کچھ محبت جتاتے ہوئے روکتی اور وہ بہت طنزیہ' حقارت بھری نظروں سے اسے دیکھ کر پھر سے سوٹ کیس بھرنے لگتا۔

بشریٰ نے اپنی عمر کے کسی حصے میں خود کو اتنا ہلکا' اتنا کمتر اور ذلیل محسوس نہیں کیا تھا جتنا وہ اس لمحے محسوس کر رہی تھی کہ اس شخص نے جس نے اس کی کم سن بیٹی کی زندگی تباہ کرنے کی کوشش کی تھی' اسے اس کی منتیں اور خوشامدیں کرکے روکنا پڑ رہا تھا۔

وہ ہنس رہی تھی مگر اندر سے رو رہی تھی۔ اس کے لہجے میں ٹوٹے ہوئے کانچ کی کرچیاں تھیں۔

"میری جان! کیا اپنی مما سے خفا ہو کر جاؤ گے تو جاؤ پھر مما کو چین کیسے ملے گا' جانتے تو ہو تمہاری ماما کو کتنے مہینوں سے تمہارا انتظار تھا۔ اب یوں چلے جاؤ گے تو میرا دل کتنا برا ہوگا۔ اب بس کرو ناں ناراضی۔" وہ تھک کر' نڈھال سی ہو کر اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"آپ نے تو ایک بار بھی اپنی لاڈلی کو اس حرکت پر نہیں جھٹلایا' جو اس نے میرے ساتھ کی... آپ۔" وہ کدورت بھرے لہجے میں بولا۔

"سیفی اس بات کو... اب ختم کرو... میں بہت تھک گئی ہوں۔ مجھے لگتا ہے میری سانسیں گھٹ رہی ہیں۔ میں... میں نے یہ سب کبھی بھی نہیں سوچا تھا۔"

اس کا بھرا ہوا دل بہت ضبط' بہت برداشت کے باوجود بھی آنکھوں سے جیسے چھلک پڑا۔

"تو آپ کو اس بات پر یقین نہیں کہ آپ کی بیٹی نے کچھ غلط کیا ہے؟" وہ ضدی باپ کا ضدی بیٹا اسی کمینگی اور ہٹ دھرمی سے اپنی ضد پر جما کھڑا تھا۔

بشریٰ کو منہ کے بل گرا دیکھنے کے شوق میں اس نشتر کو ہاتھ میں لیے بار بار اس کے زخموں کو ادھیڑے جا رہا تھا۔

بشریٰ کی آنکھوں میں مرچیں سی لگ رہی تھیں۔

اس نے اپنے یخ سرد ہاتھوں میں سیفی کا ہاتھ ذرا سا لیا اور حلق میں پھنسے گولے کو پرے دھکیلا۔

"وہ یہاں نہیں رہے گی۔ چلی جائے گی۔ اب اس کو بھول جاؤ تم۔"

وہ کہہ کر جیسے ضبط کھو کر تیزی سے باہر نکل گئی۔ سیفی کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

☆ ☆ ☆

عدیل ناشتا کرنے کے بعد یونہی ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا تھا۔ ایک طرف پڑا اخبار بھی وہ کافی تفصیل سے پڑھ چکا تھا۔ دوبار گرم چائے منگوا کر پی چکا تھا۔ عفت اس کے یوں بیٹھے رہنے پر کچھ حیران تھی۔

مگر اس سے خفگی کی وجہ سے کچھ پوچھ نہیں رہی تھی۔ پریشے بھی عدیل سے خفا تھی کہ اس نے چھٹیوں پر کہیں بھی لے جانے کی اس کی ضد پوری نہیں کی تھی۔

"پتا نہیں آج مشال کو دیر کیوں ہو گئی ورنہ اس وقت تک تو وہ آجایا کرتی تھی اور آج جانے کیوں دل عجیب سا ہو رہا ہے کہ ایک بار ایک نظر اسے دیکھ کر آفس جاؤں۔" وہ خود سے باتیں کر رہا تھا۔

آج سولہ تاریخ تھی اور مشال کو ادھر آنا تھا۔ تین چار دن سے عدیل کا دھیان مشال کی طرف لگا تھا۔ اس نے ایک بار نمبر بھی ملایا پھر رک گیا۔ کہیں مشال اس کے یوں فون کرنے پر فوراً "آنے کا نہ کہہ دے اور گھر میں عفت بہانے بہانے سے دس باتیں سنائے۔

وہ چار دن بعد اس نے آنا تو جانا ہے۔ وہ یہی سوچ کر رک گیا تھا۔ اور اب جانے کیوں بے چینی سی ہو رہی تھی۔

"آج آفس جانے کا پروگرام نہیں؟" عفت وہاں سے گزرتے ہوئے سرسری مگر طنزیہ لہجے میں کہہ گئی۔

"ہوں۔۔۔ کسی نے آنا تھا ملنے کے لیے اسی کا انتظار کر رہا ہوں۔۔۔ پری اٹھی نہیں ابھی سو کر۔"

"نہیں۔۔۔ یوں بھی اس نے دن بھر کرنا کیا ہوتا ہے۔ اٹھ بھی جائے تو ٹی وی دیکھتی ہے یا نیٹ پر بیٹھی رہتی ہے۔" وہ جلے بھنے لہجے میں بولی۔

"میں نے چھٹی کے لیے اپلائی کیا ہوا ہے۔ اس سے کہو تیاری کرے اگلے ہفتے ہم جائیں گے۔" کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"واقعی جائیں گے۔۔۔ کاغان لے کر جائیں گے نا۔ پری کو بہت شوق ہو رہا ہے۔ اس کی ساری فرینڈز تو ملک سے باہر جاتی ہیں چھٹیاں گزارنے۔ کوئی ملائیشیا کوئی بنکاک کوئی سنگاپور۔ رمشا تو لندن گئی ہے اپنے ماموں کے پاس یہاں ہماری بیٹی نے صرف اپنے ملک میں ہی گھومنے کی تو فرمائش کی ہے۔۔۔ چلیں اچھا ہے خوش ہو جائے گی پری اور روائی کو بہت خوشی ہو گی۔"

عدیل اس کی پوری بات سننے سے پہلے ہی کمرے سے باہر جا چکا تھا۔ عفت نے مڑ کر خالی کمرے کو دیکھا اور کوفت سے بڑبڑاتے ہوئی باہر نکل گئی۔

✲ ✲ ✲

مشال سیل فون ہاتھ میں لے کر کسی گہری سوچ میں گم بیٹھی اسے دیکھتی جا رہی تھی۔

"میں پاپا کو کال کر کے کہتی ہوں وہ مجھے آکر لے جائیں۔ یوں بھی آج سولہ تاریخ تو ہے۔۔۔ وہ مجھے انکار تو نہیں کریں گے۔ پتا نہیں ماما کیا سوچ رہی ہیں۔ وہ میرے پاس بھی نہیں آتیں۔ تین دن سے میں کمرے میں بند ہوں۔۔۔ میں تین راتوں سے سوئی نہیں اور ماما صرف میرا کھانا کمرے میں بھیج کر ہر فرض سے آزاد ہو جاتی ہیں۔ انہیں ایک بار بھی میرا خیال نہیں آیا کہ وہ مجھ سے پوچھیں آکر کہ میں کس حال میں ہوں۔" اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

"یہ میری ماما ہیں جو پاپا کے گھر میں صرف میری خاطر دادو سے پھپھو سے لڑ پڑتی تھیں اور آج۔۔۔ اس سیفی نے۔۔۔ مما نے اسے کچھ بھی نہیں کہا ہو گا۔۔۔ مما کو یہ لوگ مجھ سے زیادہ پیارے ہیں۔ کوئی بھی تو ان تین دنوں میں میرے پاس نہیں آیا۔ میں کہاں جاؤں۔ اگر خود پاپا کے پاس چلی جاؤں۔ انہوں نے وجہ پوچھی اور میں نے بتا

دیا۔ نہیں نہیں پھر عفت ماما کہیں گی میں خراب ہوں۔ میں نے اس لڑکے کو ایسا کرنے کے لیے کہا ہوگا۔
وہ تو پہلے ہی مجھے ہر وقت سب کے سامنے برا کہتی ہیں۔ کوئی بھی تو مجھے نہیں سمجھتا۔ کسی کو بھی مجھ سے پیار نہیں۔ کسی کو میری ضرورت نہیں۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔ زور سے آنکھیں رگڑ کر اس نے دوسری طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

"تم یہاں کیوں بیٹھی ہو میں نے تمہیں کہا تھا ناکہ اب جتنے دن ادھر ہو تم نے کمرے سے باہر نہیں نکلنا۔"
بشریٰ عجلت بھرے انداز میں آئی تھی اسے کمرے کے باہر سیڑھیوں پہ بیٹھے دیکھ کر خفا لہجے میں بولی۔
"آجاؤ جلدی سے۔ تم نے ناشتا بھی نہیں کیا۔ اس طرح سب کچھ پڑا رہے جائے تو ٹھنڈی بھی ہوگئی۔ کیوں تنگ کر رہی ہو تم مجھے مثال لیتا۔" وہ عجیب جھنجلائے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ جس میں نہ فکر تھی نہ پریشانی صرف کوفت بیزاری اور جھلاہٹ۔ مثال دروازے کے فریم میں جڑی ماں کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتی رہ گئی۔

"اور مصیبتیں کم ہیں میری زندگی میں کہ تم بھی مجھے پریشان رکھنے کی ٹھان لو۔ کم سے کم ناشتا تو کر لو ناں اور یہ ڈرائیور منحوس خدا جانے کہاں مر گیا ہے۔ میں نے اسے کہا بھی تھا کہ آدھے گھنٹے کے اندر آجائے، پھر اسے مثال کو چھوڑنے جانا ہے۔ لو اب ناشتا بعد میں کر لینا پہلے میرے ساتھ اپنا سامان پیک کرواؤ۔"
وہ خود ہی بولتی تیزی سے اس کی الماری کے اوپر خانوں سے بے موسمی کپڑوں کے تھیلے اور شاپرز بھی کھینچ کر نیچے اتارنے لگی۔ مثال پریشان سی ماں کو دیکھتی رہی۔

☼ ☼ ☼

"شکر ہے خدا کا مما! وہ بنگ چڑھی مثال آپی ہمارے ساتھ نہیں جا رہیں۔ عجب گونگی تمیز ہے جیسا مزاج ہے ان کا۔ نہ کچھ منہ سے بولتی ہیں۔ نہ کسی بات میں حصہ لیتی ہیں۔ وہ ساتھ ہوں تو عجیب الجھن ہونے لگتی ہے مجھے۔"
پری تو ماں کی زبانی باپ کی رضامندی جان کر اچھل پڑی تھی۔
"ہاں تو وہ کوئی ہماری فیملی کا حصہ ہے جو ہمارے ساتھ جائے گی۔ اس کی ماں ہے نا۔ وہ رکھے اسے اپنے پاس اتنی دولت اتنا پیسہ، چاہے تو بیٹی کو یو کے، لندن، امریکہ کہیں بھی سیر سپاٹے کے لیے بھجوا سکتی ہے۔ اس کے لیے یہ ناردرن ایریا کیا چیز ہیں۔ مثال تھی اپنی ماں اور سوتیلے باپ کے ساتھ سیر سپاٹے کرتی رہتی ہے۔ ایک تمہارا باپ ہے سارے زمانے کا کنجوس پیسے کو دانتوں سے کھینچ کر خرچ کرنے والا۔ یہ تو میری ہمت ہے جو اس کی اتنی کم تنخواہ میں اس خوش اسلوبی سے گھر چلا رہی ہوں۔ لوگ دن بدن ترقی کرتے ہیں۔ ان کی آمدنی بڑھتی ہے۔ تمہارے باپ کا الٹا حساب ہے ہر مہینے پیسے گھٹا کر ہی مجھے دیتا ہے۔ پوچھ لو تو لڑائی۔"
عفت ماں اشناپ بولے جا رہی تھی۔ کئی مہینوں سے عدیل اسے پہلے کی نسبت کم پیسے دینے لگا تھا۔ بہت بار وہ لڑائی بھی کر چکی تھی مگر وہ جواب میں خاموش ہی رہتا۔
"افوہ مما! پاپا نے یہ تو پوچھنا تھا جانا کب ہے۔ ظاہر ہے پیکنگ میں بھی تو ٹائم لگے گا۔"
پری خود کو مختلف زاویوں سے آئینے میں دیکھتے ہوئے ماں کی باتیں ان سنی کرتے ہوئے بولی۔ اسے آج کل یوں بھی ہر وقت خود کو دیکھنے اور دیکھتے رہنے کی عادت ہو چلی تھی۔ اس میں شک نہیں تھا اس کی اٹھان غضب کی تھی اس کا چاند سا دمکتا چہرہ اس کی صراحی دار گردن پر سجا عجیب شان سے دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرتا تھا۔
پندرہ سولہ سال کی عمر میں ہی اسے اپنی اس بے تحاشا خوب صورتی کا بہت شدت سے احساس ہونے لگا تھا۔
مثال کمزور صحت اور عام سی رنگت پھیکے نقوش اور نارمل قد کے ساتھ اس کے سامنے کچھ دب سی جاتی۔

اکثر تو اسے مشال سے بڑی سمجھنے لگتے تھے۔ اس کا قد اور جسم دونوں ہی بہت نمایاں ہونے والے تھے۔
"میں سوچ رہی ہوں ماما! میں اپنا ہیئر اسٹائل چینج کروالوں یا پرم کروالوں۔" وہ آگے پیچھے سے خود کو دیکھتی اپنے بالوں پہ تنقیدی نظر ڈالتے ہوئے بولی۔
باہر گاڑی کا مخصوص ہارن بجنے اور گاڑی کے دروازے کھلنے بند ہونے کی آواز نے یک لخت دونوں کو ٹھٹکا دیا۔
عفت کچھ بولتے بولتے رک سی گئی۔
پری نے پریشان نظروں سے ماں کی طرف دیکھا جو خود بھی ہراساں تھی۔
"یہ چڑیل کہاں سے آگئی ماما۔۔۔ کیا پاپا نے اسے آنے سے منع نہیں کیا تھا۔ کیا یہ اب ہمارے ساتھ جائے گی۔ نیور۔۔۔" پری کا غصہ تیزی سے ابلا تھا۔
"آج سولہ تاریخ ہے نا!" عفت کچھ بے بسی سے کھوئے کھوئے لہجے میں بولتی مڑی اور سامنے کھڑی مشال کو دیکھ کر کچھ بول ہی نہ سکی۔

✻ ✻ ✻

"پتا نہیں کیا الجھن ہے۔ کیا پریشانی ہے" کہیں بھی جی نہیں لگ رہا۔" عدیل نے کوفت سے فائل ایک طرف ہٹادی۔
اس کے آفس کے حالات بھی آج کل اچھے نہیں چل رہے تھے۔ اگرچہ وہ اس کمپنی کا پرانا ملازم تھا مگر کمپنی دن بدن خسارے میں جا رہی تھی۔ کمپنی کے مالکان سنجیدگی سے ڈاؤن سائزنگ کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ عدیل کی جاب کو خطرہ تو بظاہر کوئی نہیں تھا لیکن اس کی چھٹی حس مسلسل اسے الارم کر رہی تھی کہ خدانخواستہ ایسا کچھ ہو بھی سکتا ہے۔ وہ احتیاط لازم کے طور پر ابھی سے کچھ مہینوں کی سیلری تو جمع سے زیادہ بچا رہا تھا جس کی وجہ سے اسے ہر مہینہ عفت کی بک بک سننا پڑ رہی تھی۔
اس نے بچت سے ایک پلاٹ لے رکھا تھا۔ بینک میں بھی تینوں بچوں کے نام پہ کچھ نہ کچھ جمع کر رکھا تھا مگر وہ ایک پریکٹیکل شخص تھا۔ جانتا تھا مہنگائی کا عفریت اس کی ان تمام احتیاطی تدابیر کو باآسانی نگل سکتا ہے۔
وہ آج کل سنجیدگی سے کسی اچھی جگہ اپنا کچھ پیسہ انویسٹ کرنے کے لیے سوچ رہا تھا مگر ابھی تک اسے خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی تھی۔
"مجھے اب مشال کی شادی کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ وہ بڑی ہو گئی ہے رشتہ ڈھونڈنے میں بھی کچھ وقت لگے گا پھر پری تو ابھی سے اتنی بڑی لگنے لگی ہے۔ دانیال کو پڑھنے کے لیے باہر بھیجوں گا اور۔۔۔" اس کی سوچ کسی ایک نقطے پہ مرکوز نہیں ہو پا رہی تھی۔
وہ ایسی عجیب باتیں سوچے جا رہا تھا جن کو وہ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ جیسے ابھی وہ دانیال کی پڑھائی کو سوچتے ہوئے کچھ اور سوچنے لگا۔
"مجھے ایسا کیوں لگتا ہے کہ مشال کے ساتھ میں نے اور بشریٰ نے بہت زیادتی کی ہے۔ اسے وہ سب کچھ نہیں ملا جس کی وہ حق دار تھی۔"
وہ پیشانی مسلنے لگا۔ دوسرے لمحے آفس کا دروازہ کھلا اور عدیل آنے والے کو دیکھ کر ششدر سا رہ گیا۔

(باقی آئندہ شمارے میں ان شاء اللہ)

رخسانہ نگار عدنان

# ایک تھی مثال

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصلحتاً "بیٹا بہو سے لگاوٹ دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پاجاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن فوزیہ کی ساس زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بشریٰ اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کردیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کرکے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کرکے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آرہے ہوتے ہیں کہ ڈکیتی کی واردات میں قتل ہوجاتے ہیں۔

عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے وصول کرپاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کررہا ہے۔

اسلام آباد سے واپسی پر عدیل دونوں مقتولین کو دیکھتا ہے۔ زاہدہ، نسیم بیگم سے بیس لاکھ روپے سے مشروط فوزیہ کی

رخصتی کی بات کرتی ہیں۔ وہ سب پریشان ہو جاتے ہیں۔ عدیل بشریٰ سے ذکیہ بیگم سے تین لاکھ روپے لانے کو کہتا ہے۔

حمیدہ خالہ، عاصمہ کو سمجھاتی ہیں کہ عدت میں زبیر کا اکیلے اس کے گھر آنا مناسب نہیں ہے۔ لوگ باتیں بنا رہے ہیں جبکہ عاصمہ کی مجبوری ہے کہ گھر میں کوئی مرد نہیں۔ اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور سارے کام اس نے خود کرنے ہیں۔ وہ جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔ عاصمہ کے کہنے پر زبیر کسی مفتی سے فتویٰ لے کر آجاتا ہے کہ دوران عدت انتہائی ضرورت کے پیش نظر گھر سے نکل سکتی ہے بشرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر آجائے، سو وہ عاصمہ کو مکان دکھانے لے جاتا ہے۔ اور موقع سے فائدہ اٹھا کر اسے اپنی ہوس کا نشانہ بناتا ہے اور وہیں چھوڑ کر فرار ہو جاتا ہے۔

رقم مہیا نہ ہونے کی صورت میں فوزیہ کو طلاق ہو جاتی ہے۔ نسیم بیگم جذباتی ہو کر بشریٰ اور اس کے گھر والوں کو مورد الزام ٹھہرانے لگتی ہیں۔ اسی بات پر عدیل اور بشریٰ کے درمیان خوب جھگڑا ہوتا ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو دھکا دیتا ہے۔ اس کا ابارشن ہو جاتا ہے۔ عدیل شرمندہ ہو کر معافی مانگتا ہے مگر وہ ہنوز ناراض رہتی ہے اور اسپتال سے اپنی ماں کے گھر چلی جاتی ہے۔

اسی اسپتال میں عدیل عاصمہ کو دیکھتا ہے جسے بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا ہوتا ہے۔ عاصمہ اپنے حالات سے تنگ آکر خودکشی کی کوشش کرتی ہے تاہم بچ جاتی ہے۔ نو سال بعد عاصمہ کا بھائی ہاشم پریشان ہو کر پاکستان آجاتا ہے۔ عاصمہ کے سارے معاملات دیکھتے ہوئے ہاشم کو پتا چلتا ہے کہ زبیر نے ہر جگہ فراڈ کر کے اس کے سارے راستے بند کر دیے ہیں اور اب مفرور ہے۔ بہت کوششوں کے بعد ہاشم، عاصمہ کو ایک مکان دلاپاتا ہے۔

بشریٰ اپنی واپسی الگ گھر سے مشروط کر دیتی ہے۔ دوسری صورت میں وہ علیحدگی کے لیے تیار ہے۔ عدیل سخت پریشان ہے۔ عدیل مکان کا اوپر والا پورشن بشریٰ کے لیے سیٹ کروا دیتا ہے اور کچھ دنوں بعد بشریٰ کو مجبور کرتا ہے کہ وہ فوزیہ کے لیے عمران کا رشتہ لائے۔ نسیم بیگم اور عمران کسی طور نہیں مانتے۔ عدیل اپنی بات نہ مانے جانے پر بشریٰ سے جھگڑتا ہے۔ بشریٰ بھی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتی ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو طلاق دے دیتا ہے اور مثال کو چھین لیتا ہے۔ مثال بیمار پڑ جاتی ہے۔ بشریٰ بھی حواس کھو دیتی ہے۔ عمران بہن کی حالت دیکھ کر مثال کو عدیل سے چھین کر لے آتا ہے۔ عدیل عمران پر اغوا کا پرچا کٹوا دیتا ہے۔

عاصمہ اسکول میں ملازمت کر لیتی ہے مگر گھریلو مسائل کی وجہ سے آئے دن چھٹیاں کرنے کی وجہ سے ملازمت چلی جاتی ہے۔ اچانک ہی فوزیہ کا کہیں رشتہ طے ہو جاتا ہے۔

انسپکٹر طارق دونوں فریقین کو سمجھا بجھا کر مصالحت پر آمادہ کرتے ہیں۔ ذکیہ بیگم کی خواہش ہے کہ عدیل، مثال کو لے جائے، تاکہ وہ بشریٰ کی کہیں اور شادی کر سکیں۔ دوسری طرف نسیم بیگم بھی ایسا ہی سوچے بیٹھی ہیں۔ فوزیہ کی شادی کے بعد نسیم بیگم کو اپنی جلد بازی پر پچھتاوا ہونے لگتا ہے۔

انسپکٹر طارق، ذکیہ بیگم سے بشریٰ کا رشتہ مانگتے ہیں۔ ذکیہ بیگم خوش ہو جاتی ہیں، مگر بشریٰ کو یہ بات پسند نہیں آتی۔ ایک پراسراری عورت عاصمہ کے گھر بطور کرائے دار رہنے لگتی ہے۔ وہ اپنی حرکتوں اور انداز سے جادو ٹونے والی عورت لگتی ہے۔ عاصمہ بہت مشکل سے اسے نکال پاتی ہے۔

بشریٰ کا سابقہ منگیتر احسن کمال ایک طویل عرصے بعد امریکا سے لوٹ آتا ہے۔ وہ گرین کارڈ کے لالچ میں بشریٰ سے منگنی توڑ کر نازیہ بھٹی سے شادی کر لیتا ہے، پھر شادی کے ناکام ہو جانے پر ایک بیٹے سیفی کے ساتھ دوبارہ اپنی چچی ذکیہ بیگم کے پاس آجاتا ہے اور دوبارہ بشریٰ سے شادی کا خواہش مند ہوتا ہے۔ بشریٰ تذبذب کا شکار ہو جاتی ہے۔

بشریٰ اور احسن کمال کی شادی کے بعد عدیل مستقل طور پر مثال کو اپنے ساتھ رکھنے کا دعوا کرتا ہے مگر بشریٰ قطعی نہیں مانتی، پھر احسن کمال کے مشورے پر دونوں بمشکل راضی ہو جاتے ہیں کہ مہینے کے ابتدائی پندرہ دنوں میں مثال، بشریٰ کے پاس رہے گی اور بقیہ پندرہ دن عدیل کے پاس۔ گھر کے حالات اور نسیم بیگم کے اصرار پر بالآخر عدیل عفت سے شادی کر لیتا ہے۔ والدین کی شادی کے بعد مثال دونوں گھروں کے درمیان گھن چکر بن جاتی ہے۔ بشریٰ کے گھر میں سیفی اور احسن اس کے ساتھ کچھ اچھا برتاؤ نہیں کرتے اور عدیل کے گھر میں اس کی دوسری بیوی عفت۔ مثال کے لیے مزید زمین تنگ بشریٰ



اور عدیل کے نئے بچوں کی پیدائش کے بعد پڑ جاتی ہے۔ مثال اپنا اعتماد کھو بیٹھتی ہے۔ احسن کمال اپنی فیملی کو لے کر ملائیشیا چلا جاتا ہے اور مثال کو تاریخ سے پہلے عدیل کے گھر بھجوا دیتا ہے۔ دوسری طرف عدیل اپنی بیوی بچوں کے مجبور کرنے پر مثال کے آنے سے قبل اسلام آباد چلا جاتا ہے۔ مثال مشکل میں گھر جاتی ہے۔ پریشانی کی حالت میں اسے ایک نشئی تنگ کرنے لگتا ہے تو عاصمہ آکر اسے بچاتی ہے۔ پھر اپنے گھر لے جاتی ہے۔ جہاں سے مثال اپنے ماموں کو فون کر کے بلواتی ہے اور اس کے گھر چلی جاتی ہے۔

عاصمہ کے حالات بہتر ہو جاتے ہیں۔ وہ نسبتاً "پوش ایریا" میں گھر لے لیتی ہے۔ اس کا کوچنگ سینٹر خوب ترقی کر جاتا ہے۔ اسے مثال بہت اچھی لگتی ہے۔ مثال، واثق کی نظروں میں آچکی ہے تاہم دونوں ایک دوسرے سے واقف نہیں ہیں۔

عاصمہ کا بھائی ہاشم ایک طویل عرصے بعد پاکستان لوٹ آتا ہے اور آتے ہی عاصمہ کی بیٹیوں اریشہ اور اریبہ کو اپنے بیٹوں وقار، وقاص کے لیے مانگ لیتا ہے۔ عاصمہ اور واثق بہت خوش ہوتے ہیں۔

مثال کو نیند میں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی اسے گھسیٹ رہا ہے۔

## انیسویں قسط

وہ بہت خاموشی سے گھر کے کاٹھ کباڑ سے اٹے اسٹور بنے کمرے کی صفائی میں جتی ہوئی تھی۔ اس نے سارا بھاری ہلکا کاٹھ کباڑ کمرے سے باہر نکال دیا تھا۔

اسے یاد تھا۔ مرنے سے کچھ ماہ پہلے عفت نے نسیم کو اس چھوٹے سے ایک کھڑکی والے تنگ کمرے میں شفٹ کروا دیا تھا۔

"امی! آپ کا کمرا ہمارے بیڈ روم سے کافی فاصلے پر ہے، جبکہ یہ کمرا ہمارے بیڈ روم کے پیچھے ہے لیکن قریب ہے۔ رات میں آپ آوازیں دیتی رہتی ہیں اور مجھے پتا نہیں چلتا۔ اس کمرے سے مجھے آپ کی آواز صاف سنائی دیا کرے گی۔ میں نہ سہی عدیل تو سن ہی لیا کریں گے۔" عفت نے بہت چالاکی اور صفائی سے نسیم کا کشادہ کمرا اپری کو دیتے ہوئے عمر رسیدہ ساس کو یوں طریقے سے بہلایا تھا۔

یہ الگ بات کہ نسیم کی آواز رات تو کیا دن میں بھی گھر کے افراد کم ہی سن پاتے تھے۔ سن بھی لیتے تھے تو ان سنی کر دیتے تھے۔

مثال جن دنوں یہاں ہوتی، وہ نسیم کی فل ٹائم اٹینڈنٹ ہوتی تھی۔ نسیم کی دیکھ بھال کی وجہ سے اکثر عفت اس سے بہت سے کام نہیں کہہ پاتی تھی۔ نسیم کو پرانی باتیں دہرانے اور دہراتے چلے جانے کی عادت تھی۔ جن میں مثال کی ماں کی باغی طبیعت اور فسادی فطرت جیسے بھولے بسرے سارے فسانے ہوتے تھے جنہیں مثال کے لیے سننا مشکل ہوتا۔ مگر وہ کان لپیٹے کوئی کتاب ہاتھ میں لیے بیٹھی رہتی۔

اسے آج رات بھر سوچ سوچ کر اپنے باپ کے گھر میں رہنے کے قابل یہی کمرا لگا تھا۔

جب وہ پندرہ دنوں کے لیے آتی تھی تو عفت اسے کبھی برآمدے میں سلا دیتی، کبھی اوپر والے اسٹور میں۔ کبھی عدیل کے سامنے دکھاوا کرنا ہوتا تو پری کی منت کر کے اسے پری کے کمرے میں میٹرس لگا کر سونے کی اجازت مل جاتی۔

اور دانیال تو مثال سے عداوت کے معاملے میں بہن سے بھی چار ہاتھ آگے تھا۔ وہ چودہ، پندرہ سال کی عمر میں سب گھر والوں سے الگ مزاج کا تھا۔

انتہائی غصیلا' خود غرض' ضدی اور جھگڑالو' بس سے پنگا لینے کی ہمت عفت میں بھی نہیں ہوتی تھی۔
عدیل کے سامنے وہ کچھ دبا رہتا۔ کم گو اور لاتعلق۔
اس کے کمرے میں جانے کی ہمت کسی میں نہیں تھی۔ وہ پری اور ماں کو بھی اس جرات پر رگید کر رکھ دیتا تھا چودہ' پندرہ سال کا لڑکا اس پورے گھر میں دہشت کی علامت تھا۔ صرف یہی ایک کمرا تھا جو نچلے پورشن کے بالکل اختتام پر تھا اور گھر میں فالتو تھا۔
"کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ۔ کیوں آتے ہی گھر میں اتھل پتھل لگا دی ہے تم نے۔ کیا ان کے گھر سے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ کر آئی ہو۔" اور تن دہی سے دیواریں جھاڑتے مثال کے ہاتھ وہیں ٹھٹک کر رک گئے۔
عفت نے کتنا درست اندازہ لگایا تھا۔
ڈراؤنا خواب ہی تو تھا وہ سب جسے وہ بھلا دینا چاہتی تھی۔ لیکن کیا ایسا ممکن تھا۔ شاید کبھی نہیں۔
"ٹھیک کہا آپ نے بہت ڈراؤنا خواب دیکھا ہے میں نے۔" وہ پھر سے اطمینان کے ساتھ دیواریں جھاڑنے لگی۔
"کیا مطلب؟" عفت اس کے لہجے پر ٹھٹکی۔
"دادو آئی تھیں میرے خواب میں۔" وہ اب دروازہ اور کمرے کی اکلوتی کھڑکی کو پوری طاقت کے ساتھ جھاڑ رہی تھی۔
ایک تو اس کے ساتھ بڑے بڑے تین سیاہ بیگ دیکھ کر ہی وہ خوف زدہ ہو گئی تھی' اوپر سے اس لڑکی کے انداز!
"کہہ رہی تھیں۔ تم لوگوں نے میرے کمرے کو کباڑ خانہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ میں اس کمرے میں تھوڑی بہت جتنی بھی ہو سکتی تھی' اللہ کی عبادت کیا کرتی تھی۔ اس کباڑ کی وجہ سے وہ بھی مجھ تک نہیں پہنچ پا رہی۔" مثال پوری سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔
عفت کی آنکھوں میں الجھن بڑھ گئی۔
"کیا فضول باتیں کر رہی ہو۔" وہ جھلا کر اس کے دروازے کے پاس پڑے ہوئے خوب پھولے بیگوں کو پاؤں کی ٹھوکر سے چیک کرتے ہوئے کوفت سے بولی۔
"دادو کی عبادت اس کمرے میں پھنس کر رہ گئی ہے۔ اسے باہر نکلنے کا رستہ نہیں مل رہا۔ دادو نے خواب میں آکر میری منت کی ہے کہ جب تک یہ کمرا خوب صاف نہیں ہو جاتا' اس میں کوئی بسیرا... آئی مین... کوئی رہنے نہیں لگ جاتا۔ ان کی عبادت یہیں پھنسی رہے گی اور اس کا ثواب بھی انہیں نہیں مل سکے گا اور وہ ہماری اس سستی کی وجہ سے ہو سکتا ہے عذاب میں ہوں۔"
عفت کا جی چاہا' اسے دونوں ہاتھوں سے پیٹ ڈالے۔
"کمینی نے کیسی کہانی گھڑی ہے' عدیل تو اس بکواس پر فوراً ہی ایمان لے آئے گا۔"
ابھی تک وہ ماں کو یوں یاد کرتا تھا' جیسے وہ ابھی بھی موجود ہوں۔
"یہ تھیلے بھر بھر کر سامان کیوں لے کر آئی ہو؟ کیا ماں نے دھکے دے کر نکال دیا ہے ہمیشہ کے لیے۔" عفت بہت دیر تک اپنے تجسس کو چھپا نہ سکی۔
"ایسا ہی ہوا ہے اس بار۔" مثال نے گہرا سانس لے کر تنقیدی نظروں سے صاف دیواروں' دروازے اور کھڑکی کو دیکھا۔ فرش پر اب صرف دھلائی کا کام رہ گیا تھا۔ پھر یہ کمرا مکمل طور پر اس کو اپنانے کے لیے تیار تھا۔
"آپ اتنی اچھی ہیں' اتنی مہربان اور خیال رکھنے والی... میں جہاں بھی جاتی ہوں... آپ کی نیک طبیعت کا چرچا کرنے سے خود کو روک نہیں پاتی۔" اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔



عفت کو اس پر بہت غصہ آ رہا تھا۔ مگر ابھی وہ برداشت کرنا چاہتی تھی۔
"تم یہ سب کیوں لے کر آئی ہو؟" وہ دانت پیس کر بولی۔
"مما نے مجھے اپنے شوہر کے گھر سے نکال دیا ہے۔" وہ چہرے پر زمانے بھر کی مظلومیت سجا کر بولی۔
"کیونکہ میں نے ان کے منہ پر صاف صاف کہہ دیا تھا کہ آپ سے اچھی تو میری عفت مما ہیں' جو میرا بہت خیال رکھتی ہیں اور وہ مجھے اپنی پری سے بڑھ کر چاہتی ہیں اور اہمیت دیتی ہیں تو میری سگی ماں کو جیسے آگ لگ گئی۔ میرا سامان اٹھا کر گھر سے باہر پھینکا اور صاف کہہ دیا کہ جاؤ اپنی عفت مما کے ساتھ ہی رہو ہمیشہ کے لیے۔ سو میں آ گئی فی الحال تو یہ سب لے کر۔" وہ دونوں بازو جھٹکتے ہوئے خود کو مطمئن ظاہر کرتے ہوئے بولی۔
عفت تو یوں ششدر سی کھڑی رہ گئی' جیسے اس نے کسی بہت قریبی عزیز کے مرنے کی خبر سن لی ہو۔
"تو... تم... اب واپس... پندرہ دن بعد بھی... واپس نہیں جاؤ گی۔" وہ اڑی رنگت کے ساتھ بمشکل بولی۔
مثال نفی میں سر ہلا کر ٹب میں موجود پانی اور سرف فرش پر بہا کر بڑی تندہی سے جھاڑو لگانے لگی۔
وہ عفت کے سر پر بم پھوڑ چکی تھی۔ عفت کی حالت اب کیا ہو گی۔ اسے اس میں دلچسپی نہیں تھی۔
اسے صرف پاپا کا ردعمل جاننا تھا۔ وہ جانے اس بات کو کیسے لیں گے۔

☼ ☼ ☼
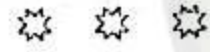
"تم... یہاں... آپ..." عدیل اتنے برسوں بعد بشریٰ کو اپنے سامنے دیکھ کر لمحہ بھر کو تو کچھ بول ہی نہیں سکا تھا۔
اور پھر بولا تو یہ تین بے ربط سے الفاظ۔
بشریٰ کچھ کہے بغیر خاموشی سے اس کے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔
اس کے چہرے پر اتنی گہری چپ اور ایسی وحشت تھی' جیسے وہ کچھ بولے گی تو شاید رو ہی پڑے گی۔
اس کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے تھے۔ بال یوں چہرے کے اردگرد اڑ رہے تھے' جیسے انہیں کئی دنوں سے سلجھایا نہ گیا ہو۔ کہیں براؤن' کہیں سیاہ اور کہیں جھلکتی سفیدی... خشک... بے رونق بال بشریٰ کی بے توجہی کا اعلان کر رہے تھے۔
عدیل نے بشریٰ کو کبھی خود سے یوں لاپروا نہیں دیکھا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنا بہت خیال رکھا کرتی تھی۔
اس نے دونوں ہاتھ آپس میں جکڑ رکھے تھے۔ بڑھتی عمر کا اعلان کرتی ہاتھوں میں نیلی سبز رگیں ابھری ہوئی تھیں۔
اس کی گردن کی ہڈی بہت نمایاں تھی اور جبڑے رخساروں میں یوں نمایاں تھے' جیسے کئی دنوں سے اس نے کھانا پینا چھوڑ رکھا ہے۔ وہ عدیل کو بہت کمزور' مرجھائی ہوئی اپنی عمر سے کہیں بڑی نظر آنے والی عورت لگ رہی تھی۔
اس کے چہرے پر تھکن تھی۔ جیسے وہ اپنے گھر سے عدیل کے آفس تک پیدل چل کر آئی ہو۔
"تم... تم ٹھیک ہو نا۔" اس کی اتنی لمبی چپ نے عدیل کو ڈرا دیا۔
وہ کوشش کے باوجود خود کو اسے تم کہنے سے نہ روک سکا۔
"ایک گلاس پانی... مل جائے گا۔" وہ اسی طرح دونوں ہاتھ آپس میں جوڑے' چہرہ جھکائے کھردری آواز میں بولی۔

عدیل اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"یقیناً" کوئی بہت بڑی بات ہوئی ہے۔" وہ اسے دیکھ کر سوچنے لگا۔

"کہیں احسن کمال نے اسے چھوڑ تو نہیں دیا۔" برسوں پہلے کی دبی دبی سی خواہش کسی خدشے کی طرح سر اٹھا کر اس کے دل میں آئی۔

"نہیں... نہیں... اب نہیں... اس کے ساتھ کچھ ایسا برا نہیں ہونا چاہیے۔ اگر اس بار یہ ٹوٹی تو پھر شاید کبھی جڑ نہیں سکے گی۔" اس نے کانپتے دل کے ساتھ اس کے آگے پانی کا گلاس رکھ کر سوچا۔

بشریٰ ایک ہی سانس میں پورا گلاس پی گئی اور اس سارے دورانیے میں اس نے پہلی بار عدیل کی آنکھوں میں دیکھا۔

جن میں اسے اپنے لیے وہی فکر اور پریشانی نظر آئی جو کبھی بشریٰ کو موسم بدلنے پر نزلہ زکام' بخار ہونے پر عدیل کی آنکھوں میں ہوتی تھی۔

دونوں چند لمحے ایک دوسرے کو دیکھ کر نظر ہی چرا گئے۔ دونوں کی صدائیں تھیں یا بہت سی آوازیں جو دونوں کے ویران دلوں میں گونجی تھیں۔

"مجھے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔" بشریٰ بے بسی سے بڑبڑا کر رہ گئی۔

"سب ٹھیک تو ہے نا بشریٰ... تم... تمہارا شوہر... مثال!" عدیل اس کے پھر خاموشی میں ڈوب جانے پر کچھ بے چین ہو کر بولا۔

وہ ساکت سی بیٹھی تھی۔

"میں آج آپ سے ایک درخواست کرنے آئی ہوں عدیل!" بہت رک رک کر بہت سوچ کر جیسے پوری ہمت جمع کر کے وہ بولی۔

"کیسی درخواست... میرے پاس کیا ہے اب تمہیں دینے کے لیے۔" وہ پھیکے سے لہجے میں بولا۔ جس میں بہت کچھ کھو دینے کا پچھتاوا تھا۔ بشریٰ نے شکایتی نظروں سے اسے دیکھا۔

عدیل نظروں چرا کر بلائنڈز سے باہر دیکھنے لگا۔ اس کی شکایتی نظروں کی تلافی اب ممکن نہیں تھی۔

"میں احسن کمال... بچوں... اس کے دونوں بچوں کے ساتھ ہمیشہ کے لیے آسٹریلیا شفٹ ہو رہی ہوں۔" ایک لمبی چپ کے بعد وہ بھرے ہارے لہجے میں بولی اور عدیل کو یوں لگا جیسے اس کے آس پاس کوئی بم پھوٹا ہو۔

"اس کے دونوں بچوں..." وہ زیر لب بڑبڑایا۔

"احسن کمال کے بیٹے سیفی اور آئینہ۔" بشریٰ نے اس کی استعجاب بھری سرگوشی سن کر شرمندہ سے لہجے میں وضاحت کی۔

"اور مثال..." وہ ایسا کہنا نہیں چاہتا تھا لیکن جانے کیسے اس کے منہ سے پھسل گیا۔

بشریٰ کی آنکھیں جھلملانے لگیں۔

مثال کے نام پر اسے لگا جیسے کسی نے اس کا دل مٹھی میں لے لیا ہو۔ وہ جتنی ہمت سے اتنا بڑا فیصلہ دل میں کر کے آئی تھی۔ اسے لگا وہ یہ فیصلہ جو عدیل کو سنائے گی تو اس کے بعد شاید وہ خود بھی زندہ نہیں رہ پائے گی۔

"وہ... میرے ساتھ... ہمارے ساتھ... نہیں جائے گی۔ وہ جانا نہیں چاہتی۔ اس نے ہمارے ساتھ جانے سے صاف انکار کر دیا ہے۔" لمحہ بھر میں اس نے جملوں میں ردوبدل کیا اور دفاعی پوزیشن پر آگئی۔

"میں نے اس سے بہت کہا' سمجھایا... کہ میں چاہتی ہوں وہ ہمارے ساتھ چلے۔ اسے چلنا چاہیے۔ وہاں اس

کے لیے ایک برائٹ سیکیور فیوچر ہوگا۔ بٹ... وہ تم سے... اپنے باپ سے اتنی دور نہیں جانا چاہتی۔

وہ بے ربطگی سے جلدی جلدی بولتی چلی گئی۔

حالانکہ وہ گھر سے یہی سوچ کر نکلی تھی کہ وہ عدیل کو سارا ماجرا سیفی کی ذلیل حرکت کا قصہ اور اپنی بیٹی کے ساتھ ہونے والی زیادتی اور اپنی بے بسی... سب کچھ سچ سچ بتا دے گی۔

لیکن جانے کیوں اتنے سالوں بعد اگرچہ دل مکمل طور پر عدیل پر بھروسا کرنا چاہ رہا تھا لیکن ایک دم سے اپنے بھرم کی خاطر اس نے خود کو یہ سب کہنے سے روک دیا۔

"اب تم کیا چاہتی ہو کہ میں مثال کو سمجھاؤں کہ وہ تمہارے ساتھ چلنے کے لیے راضی ہو جائے؟" عدیل نے سکون بھرے لہجے میں جواب دیتے ہوئے جیسے بشریٰ کی بساط ہی الٹ دی۔ وہ پریشان سی اسے دیکھنے لگی اور بے ساختہ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

عدیل نے اسے الجھ کر دیکھا۔

"تو... تم میرے پاس اور کون سی درخواست لے کر آئی ہو۔" اسے بشریٰ کے آنے کا مقصد سمجھ میں نہیں آیا۔

"اتنے برس گزر گئے۔ یوں سمجھیں میں نے اپنی آدھی سے زیادہ عمر بتا دی اور مجھ پر یہ عقدہ کھلا کہ عورت واقعی بہت کمزور، بہت بے بس ہے۔ وہ لاکھ خود مختار ہونے کا دعوا کرے۔" وہ گہرا سانس لے کر بے بسی سے اپنی بے چارگی کا اظہار کر گئی۔

"میں ابھی بھی نہیں سمجھا بشریٰ!" عدیل واقعی سمجھ نہیں پایا تھا، وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔

بشریٰ پھر خاموش ہو گئی۔

جیسے وہ بولنے کے لیے مناسب الفاظ کا انتخاب کر رہی ہو۔

"میں یہ جان چکی ہوں عدیل! کہ میں لاکھ مثال سے محبت اور ممتا کے دعوے کروں، میں اس کی حفاظت نہیں کر سکتی۔"

کچھ دیر پہلے جو اس نے کچھ نہ بتانے کا دل میں عہد کیا تھا۔ اس چھوٹے سے جملے میں کہہ گئی۔

عدیل کی آنکھیں پھیل سی گئیں۔

"کیا مطلب؟" وہ بہت دیر بعد پوچھ سکا تھا۔ "کیا ہوا ہے مثال کو... بتاؤ مجھے۔ کسی نے اس کے ساتھ کچھ غلط کیا ہے؟" وہ ایک دم سے وحشت زدہ سا ہو گیا تھا۔

بشریٰ آنکھوں میں پانی لیے زور، زور سے نفی میں سر ہلانے لگی۔

"اسے کچھ نہیں ہوا۔ لیکن میری خواہش... اور یہ ضروری ہے عدیل! کہ مثال اپنے باپ کی محفوظ چھت تلے رہے۔ میں جا رہی ہوں۔ میں اس کا وہ خیال نہیں رکھ سکوں گی جو شاید ایک سگا باپ رکھ سکتا ہے۔ میں اس سے رابطے میں رہوں گی۔ اس کی ضرورت کا خیال رکھنے کی کوشش کروں گی۔ لیکن میری درخواست ہے پلیز! اسے اپنے پاس رکھ لیں اور اس کا بہت خیال رکھیں۔ وہ میرے بغیر تو رہ سکتی ہے، مگر وہ تمہاری جدائی نہیں سہ سکے گی۔ میں اسے اپنی خوشی اور رضا سے تمہارے حوالے کر رہی ہوں۔" کہتے کہتے وہ ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

عدیل شاکڈ سا ساکت بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔

"میں اس کی جدائی سہ لوں گی۔ جیسے بھی ہوگا اس کے بغیر جی لوں گی۔ مجھے یہ اطمینان ہوگا کہ وہ تمہارے پاس... اپنے باپ کے پاس بحفاظت ہے۔ تم اس کا خیال مجھ سے بہت بہتر رکھ سکتے ہو، رکھ لوگے۔"

کہہ کر خود کو گھسیٹتے ہوئے وہ مردہ قدموں سے عدیل کا جواب سنے بغیر دروازہ کھول کر جیسے آئی تھی اسی طرح چلی گئی۔

عدیل تو گنگ تھا۔ نہ جانے بیچ میں کیا ہوا ہے۔ کیا احسن کمال... نے مثال کے ساتھ کچھ برا کیا؟

کسی سانپ کی طرح اس خدشے نے سر اٹھایا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھ کر آفس کے باہر تک بشریٰ کے پیچھے گیا۔ مگر اس کی گاڑی دھول اڑاتی دور جا رہی تھی۔

شاید وہ ٹھیک کہہ گئی ہے۔ جوان بیٹی کی جیسی حفاظت ایک باپ کر سکتا ہے کہ ایک لاچار ماں نہیں کر سکتی مگر مثال کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ وہ ستون کے ساتھ ٹکا مضطرب سا ایک ہی بات سوچے جا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

سارا گھر ایک دم سے خالی ہو گیا تھا۔

اسے تو کبھی احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ بیٹیوں نے گھر کو کس طرح سے بھر رکھا ہے۔ گھر کی ساری آبادی جیسے ان کے دم سے تھی۔

سب طرف ایک گمبھیر خاموشی گہری چپ سی تھی۔

وردہ اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔ بہت سارے دنوں کی تھکن جمع ہو گئی تھی۔ آرام کے لیے تو وہ بھی لیٹی تھی۔ ذرا سی دیر کو اس کی آنکھ لگی، مگر پھر وہ اٹھ کر باہر آ گئی۔

واثق جاب کی تلاش میں نکلا تھا۔ پچھلے دنوں اسے جو عارضی نوکری چھ ماہ کے کنٹریکٹ پر ملی تھی، وہ پچھلے ہفتے ختم ہو چکی تھی۔

عاصمہ کی اکیڈمی میں بچے اب بہت کم رہ گئے تھے۔ معلوم نہیں کیا ہوا تھا۔ کوئی ڈھنگ کی ٹیچر چند ہفتوں سے زیادہ ٹکتی ہی نہیں تھی۔ حالانکہ عاصمہ نے اپنی جیب سے ان کی تنخواہیں بھی بہت بڑھائی تھیں مگر انہیں کسی اور اکیڈمی سے اچھا پیکج مل جاتا تو وہ چپکے سے بغیر بتائے ہی چلی جاتیں۔

بار بار ٹیچرز بدلنے سے اسٹوڈنٹس اور ان کے والدین بہت ڈسٹرب ہوتے۔ یوں بھی اس کا اپنا دھیان بھی اکیڈمی کی طرف سے خاصا کم ہو گیا تھا۔ واثق کو جاب مل جاتی تو وہ اکیڈمی بند کرنے کا ہی سوچ رہی تھی مگر ابھی تو آمدنی کا یہی ایک ذریعہ تھا۔

"مما! آپ سوئی نہیں؟" وردہ جمائیاں لیتی اٹھ کر باہر آ گئی۔

عاصمہ اسے دیکھ کر ذرا سا چونکتے ہوئے مسکرائی۔

اریبہ کی طرح وہ بھی قد کاٹھ میں دن بدن بڑھتی جا رہی تھی یا شاید وردہ ان دونوں کی موجودگی میں عاصمہ کو نظر ہی نہیں آئی تھی اور اب ایک دم اسے لگا۔ وردہ فرسٹ ایر پاس کرتے ہی ایک دم سے بہت بڑی ہو گئی ہے۔ عاصمہ نے کوئی جواب دیے بغیر اس کی طرف بانہیں پھیلائیں۔ وہ فوراً ماں کی بانہوں میں سما گئی۔

"مما! آپیوں کے جانے کے بعد کتنی خاموشی ہو گئی ہے گھر میں۔ وہ دونوں اتنا شور مچاتی تھیں کیا؟" وہ ماں کے سینے میں منہ گھسیڑ کر شریر لہجے میں بولی۔

عاصمہ نے ہنستے ہوئے اس کے سر پہ ہلکی سی چپت لگائی۔ دونوں پھر خاموش ہو گئیں۔

"مگر مما! ماموں تو کہہ رہے تھے، وہ پاکستان آ جائیں گے کچھ مہینوں میں سب کو لے کر۔" وردہ کو کچھ دیر بعد خیال آیا تو سر اٹھا کر پوچھنے لگی۔

"مشکل ہے وردہ! تمہارے ماموں تو کئی سالوں سے یہی کہہ رہے ہیں۔ اب تو دونوں بیٹوں کی جاب بھی وہیں

ہے۔ گھر بھی نے چکے ہیں ادھر اور، سوئیں تو مل ہی گئیں۔" آخر میں وہ خود ہی مسکرانے لگی۔

"تو وہ اب کبھی نہیں آئیں گے یہاں؟" وردہ کچھ پریشان ہو کر بولی۔

"اللہ نہ کرے۔ آنا تو ہے انہیں جلد یا بدیر' بلکہ ابھی تو میں سوچ رہی ہوں واثق کی جاب لگ جائے تو تمہارے فرض سے ایک دو سالوں میں سبکدوش ہو کر حج کے لیے جاؤں گی۔"

"خبردار مما! آپ نے ابھی میرے متعلق ایسی ویسی کوئی بات سوچی بھی تو۔ مجھے پڑھنا ہے ابھی اور بہت پڑھنا ہے' شادی۔۔۔ بالکل بھی نہیں۔۔۔ کم از کم پانچ چھ سال تو سوچیے بھی نہیں۔" وہ خطرناک تیوروں کے ساتھ ماں کو دھمکانے والے انداز میں بولی تو عاصمہ یوں ہی مسکرا کر سرہلانے لگی۔

اسی وقت دروازہ کھول کر واثق آگیا۔

اس کے چہرے پر تھکن کے بجائے مسکراہٹ اور چمک سی تھی۔

"اللہ تیرا شکر ہے۔" عاصمہ زیر لب کہتے ہوئے سر اٹھا کر بولی تو دونوں ماں کو دیکھنے لگے۔

واثق سلام کر کے ماں کے پاس بیٹھ گیا۔

"مجھے لگتا ہے کوئی اچھی خبر ہے۔" عاصمہ یقین بھرے لہجے میں بولی۔

"اچھی سی چائے پلوائیں پہلے' پھر بتاتا ہوں۔" واثق جوتے اتارتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

"اس کا مطلب ہے وہ خبر میرے سامنے نہیں سنائی جانے والی جو مجھے چائے بنانے کے لیے بھیجا جا رہا ہے۔" وردہ برا سا منہ بنا کر بولی۔

"بہت تیز ہو گئی ہے ممایہ۔" واثق ہنس کر بولا۔

"بھائی! بتائیں نا کیا بنا آپ کی جاب کا؟" وہ بے صبرے پن سے بولی۔

"بہنا جی! تمہیں مل بھی گئی ہے اور نہیں بھی۔" وہ ٹانگیں سامنے پھیلا کر پر سکون انداز میں بولا۔

عاصمہ اور وردہ نے الجھ کر اسے دیکھا۔

"یہ کیا بات ہوئی بھلا۔۔۔ ملی ہے یا نہیں' ٹھیک بتائیں نا۔" وردہ کچھ منہ بنا کر بولی۔

"مما! میرا ایک کالج فیلو تھا۔ کالج کے دور میں تو اتنی دوستی نہیں تھی ہمارے درمیان' لیکن آج ملا تو بہت اچھا لگا۔ بہت نائس ہے وہ' میرے بارے میں پوچھنے لگا کہ کیا کر رہا ہوں آج کل' میرے بتانے پر کچھ دیر تو خاموش رہا' پھر اس نے مجھے جاب کی آفر کر دی۔"

"جاب کی آفر۔۔۔ آفس ہے اس کا یا کوئی کمپنی۔۔۔ امیر دوست ہے کیا آپ کا؟" وردہ اسی بے صبری سے پھر بولی۔

"ہاں ہے تو۔۔۔ فیکٹری ہے اس کی کافی بڑی۔۔۔ اسے فی الحال میری ضرورت ہے۔ کل جاؤں گا' دیکھوں گا کہ جاب کیا ہے' پھر فیصلہ کروں گا کہ کرنی ہے یا نہیں۔ اب چائے مل سکتی ہے یا نہیں۔"

وہ اٹھ کر جاتے ہوئے وردہ کے سر پر چپت لگا کر کہہ گیا۔

"یہ کیا پھسپھسی جاب ہوئی بھلا۔ ملنے پہ بھی ففٹی ففٹی۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے اٹھ کر کچن میں چلی گئی۔

عاصمہ خاموش بیٹھی کچھ سوچتی رہی۔

☆ ☆ ☆

"کیا مطلب مما۔۔۔ یہ مثال آپی۔۔۔ اب کیا مستقل ہمارے سر پر پڑی رہیں گی۔ اب کبھی بھی اپنی ماں کے گھر نہیں جائیں گی۔ کیا مصیبت ہے یار!" پری بہت جھنجلائی ہوئی تھی۔ خوامخواہ کمرے کی چیزیں اٹھا پٹخ کر رہی تھی۔



اور یہ تو اب طے تھا کہ مثال اب ان لوگوں کے ساتھ ہی جائے گی۔ جس پر پاپا کی محبت کی اکیلی حصے دار پریشے پریشانی ہوئی تھی۔ عفت بالکل خاموش تھی۔

وہ پری کی شرٹ پر دھاگے سے بیل بنا رہی تھی۔

"آپ کچھ بول کیوں نہیں رہی ہیں۔ مجھے بہت غصہ آرہا ہے۔ آپ پاپا کو فون کر کے بلائیں' انہیں کہیں فورا" اس سے آکر بات کریں۔" عفت کی خاموشی اسے اور مشتعل کر گئی۔

"پری! تمہارے پاپا آنے والے ہیں۔ وہ راستے میں ہوں گے۔ تم اس طرح ری ایکٹ کرو گی تو شاید انہیں برا لگ جائے۔ بہرحال مثال بھی ان کی بیٹی ہے اور تم سے پہلے وہ اس کے بارے میں سوچیں گے' یہ ذہن میں رکھو۔"

عفت خلاف توقع بہت ٹھہر ٹھہر کر بظاہر سلجھے ہوئے صلح جو لہجے میں کہہ رہی تھی۔ پری ششدر سی رہ گئی۔

"آپ۔۔۔ آپ اسے ہمیشہ کے لیے قبول کر لیں گی اس گھر میں۔ وہ اب یہیں رہے گی۔ کبھی نہیں جائے گی کیا؟" وہ ماں کے سر پر آکر چلاتے ہوئے بولی۔ عفت اسے تاسف سے دیکھ کر رہ گئی۔

"ہر چیز کا نتیجہ فورا" سامنے نہیں آتا۔ اپنے اندر تھوڑا ضبط پیدا کرو۔" نہ چاہتے ہوئے بھی عفت اسے نصیحت کر گئی' جبکہ جانتی بھی تھی کہ یہ موقع بہرحال نصیحت کا نہیں ہے۔

"میں اسے اور اس کے سامان کو اٹھا کر باہر بھی پھینک سکتی ہوں تو آپ اپنی یہ نیک نصیحتیں سنبھال کر رکھیں' اس وقت مجھے کیجئے گا۔" وہ عفت کی توقع سے زیادہ غصے میں آکر بولی۔

"پری۔۔۔ پری۔۔۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" عفت بوکھلا کر قمیص ایک طرف پھینک کر غصے میں جاتی پری کے پیچھے لپکی۔

"حد ہے۔۔۔ اس لڑکی کی ذرا جو صبر' برداشت ہو اس میں خوامخواہ ہی میں کوئی نیا تماشا کھڑا کرلے گی۔ رکو۔۔۔ پری بات سنو میری بیٹا!" وہ اس کے پیچھے تک چلی گئی۔ مگر وہ ان سنی کرتی جا چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

مثال نے سخت تھکے ہوئے پیروں کو دونوں ہاتھوں سے سہلا کر انہیں کرسی پہ رکھا۔ جبکہ اس کے ہاتھوں میں بھی درد تھا۔

درد اپنی جگہ' مگر یہ چھوٹا سا کاٹھ کباڑ سے سجا کمرا اس قابل ہو چکا تھا کہ وہ اب باقی کے جتنے بھی دن خدا نے اس کے اس گھر میں رکھے تھے با آسانی گزار سکتی تھی۔ اگر اسے گزارنے دیے گئے تو۔۔۔

دادی کا پلنگ جھاڑ پونچھ کر جس قدر اسے صاف کر کے چمکایا جا سکتا تھا۔ مثال اسے چمکا کر کھڑکی کے ساتھ دیوار سے ذرا فاصلے پر لگا چکی تھی۔ پرانے پرنٹ کی گھسی ہوئی' مگر صاف چادر تکیہ' پرانے میز پر اس کی کتابوں کا ڈھیر اور پلنگ کے نیچے اس کے تینوں سامان سے بھرے بیگ لگ چکے تھے۔

کمرے میں ایک ہی ٹوٹی پھوٹی الماری تھی۔ جس کے پٹ نہیں تھے۔

"پاپا کا موڈ اچھا ہو۔۔۔ کسی دن تو انہیں کہوں گی۔ اس الماری کے پٹ لگا دیں۔ میں اس میں اپنے کپڑے' جوتے وغیرہ رکھ لوں گی۔"

وہ اب دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیاں سہلا رہی تھی۔

وہ صبح سے کام میں لگی تھی اور اب نہ صرف بہت تھک چکی تھی۔ بلکہ اسے بھوک بھی لگی تھی۔

اور کسی نے اس سے جھوٹے منہ کھانا تو کیا چائے پانی کا بھی نہیں پوچھا تھا۔
اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اب جا کر اسے کچن میں بھی سارا کام کرنا پڑے گا تو ہی کھانے کو کچھ ملے گا۔ لیکن اب اس میں اٹھنے کی بھی ہمت نہیں تھی۔ وہ یوں ہی کسلمندی سے بیٹھی رہی۔
"تم یہاں مستقل آگئی ہو کیا مثال۔۔۔؟" پری اس کے پیچھے دروازے کی چوکھٹ میں کھڑی تھی۔
کچھ دیر کھڑی کمرے کا جائزہ لیتی رہی۔ جس کا چند گھنٹوں میں نقشہ بدل چکا تھا۔ پھر بہت کڑوے کسیلے لہجے میں چبا کر بولی۔
مثال نے ذرا سی گردن موڑ کر اسے دیکھا اور کوئی جواب دیے بغیر پھر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔
"کیوں تھک گئی تمہاری ماں تمہیں اپنے گھر میں رکھ کر یا اس کے دوسرے شوہر نے تمہیں دھکے دے کر نکال دیا۔ ایسا ہی ہوا نا مثال آپی تمہارے ساتھ وہاں؟" طنزا" اس سے جب سخت ناگوار لہجے میں بات کرتی تھی تو آپی اور مثال کو بہت حقارت سے چبا چبا کر الگ سے ادا کرتی تھی۔
مثال خون میں اٹھتے ابال کو ضبط کرتی خاموش رہی۔
"سنا ہے تمہاری ماں کے دوسرے شوہر کا جوان بیٹا بھی ہے۔ کہیں اس کے ساتھ تو رنگ رلیاں مناتی رنگے ہاتھوں نہیں پکڑی گئیں تم۔" وہ کس قدر کمینی تھی۔ اس کا اندازہ مثال کو کبھی بھی نہیں ہوا تھا۔
وہ تو ابھی اس جملے کے بولنے سے پہلے تک پری کو ایک معصوم چھوٹی باربی ڈول جیسی بہن سمجھتی تھی۔ جس کو مثال نے گودوں کھلایا تھا اور عفت سے چھپ چھپ کر اسے بہت پیار کیا تھا۔ اپنی محدود سی پاکٹ منی سے اس کے لیے چاکلیٹس اور کینڈیز لایا کرتی تھی۔
وہ پری اس سے اتنی گندی گری ہوئی بات بھی کر سکتی ہے۔ مثال کبھی سوچ نہیں سکتی تھی۔
اگرچہ وہ بات تقریباً" کچھ اسی طرح وقوع پذیر ہوئی تھی جیسے پری نے حقارت بھرے لہجے میں کہا تھا۔ لیکن مثال کو یوں لگا جیسے کسی نے کیچڑ سے بھرا جوتا کھینچ کر اس کے منہ پر مار دیا ہو۔ اسے چاہنے کے باوجود غصہ بھی نہیں آیا۔ بس جیسے ڈھیر سارا نمک اس کے حلق میں گھل سا گیا۔
وہ پری کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی۔ بلکہ وہ تو کسی کے بھی سامنے نہیں رونا چاہتی تھی۔
لیکن ہر بار اسے اس نہج پہ پہنچا دیا جاتا تھا کہ وہ سب کے سامنے رو ہی پڑے۔
"میں چائے بنانے جا رہی ہوں تم پیو گی۔" پیروں سے اٹھتی ٹیسوں کو دبا کر بدقت اٹھتے ہوئے بظاہر سپاٹ لہجے میں آنکھوں میں آئی نمی کو چھپا کر وہ رخ پھیرے جاتے ہوئے بولی۔ اس کی اس بے تکی آفر نے پری کو اور چڑا دیا۔
وہ تیزی سے پنجوں پر گھومی تھی۔
"کیا سمجھتی ہو تم خود کو۔۔۔ یوں بے پروا ظاہر کر کے ہم سب کو بے وقوف بنا لو گی' بتاؤ' وہاں ایسا کیا کر کے آئی ہو کہ انہوں نے تمہیں ہمیشہ کے لیے یہاں پھینک دیا ہے ہمارے سروں پر کسی مصیبت کی طرح۔" پری عفت نہیں تھی کہ بہت پلاننگ کے ساتھ اپنے بغض کو نرم لفظوں اور مبہم رویے کے پیچھے چھپا لیتی۔ وہ پری تھی جو ماں اور باپ کے لاڈ سے سر چڑھی تھی۔
"بتاؤ مجھے گونگی ہو کر آئی ہو کیا وہاں سے؟" وہ مثال کی ہنوز چپ پر اور بھی برافروختہ ہو کر چلائی۔
"پری! یہ گھر جتنا تمہارا ہے اتنا ہی میرا بھی ہے یہ مت بھولو تم اگر عدیل احمد کی چھوٹی بیٹی ہو تو میں ان کی بڑی بیٹی ہوں۔ ان کی محبت' ان کے گھر' ان کی ہر چیز کی پہلی حصے دار' پہلی حق دار۔۔۔ اوکے۔"
پتا نہیں کس طرح اس نے اپنے دل کو سنبھالا تھا جو زور' زور سے رونے پر آمادہ تھا اور وہ اسے سنبھال کر اتنے



روکھے لہجے میں بولی تھی کہ لمحہ بھر کو پری بھی اس کے ڈھنگ لہجے پر کچھ خائف سی ہو گئی۔
"بلیک میل کر رہی ہو مجھے' میری ماں کو۔" پری اس کے جواب میں صرف یہی کہہ سکی۔
"نہیں' صرف بتا رہی ہوں کہ میں جب جیسے میری مرضی' میری خواہش ہو گی' میں اپنی ماں کے گھر رہوں گی یا اپنے باپ کے گھر۔۔۔ تم اس پر اعتراض نہیں کر سکتیں اور جب ہمیں ایک ہی گھر میں رہنا ہے تو بہتر ہے نہ تم مجھ سے بے وجہ الجھو اور نہ میں تم سے الجھوں۔ امن سے رہو' امن سے رہنے دو' مجھے تم سے صرف یہ کہنا ہے۔
اور یہ مت سمجھنا کہ مجھے ماں کے گھر سے کسی نے نکالا ہے یا مجھے وہاں کوئی مسئلہ تھا۔ اصل میں مجھے پاپا نے زبردستی بلایا ہے۔ وہ اب یہ چاہتے ہیں کہ میں ہمیشہ کے لیے ان کے ساتھ آ کر رہوں۔ اور کبھی کبھار اپنی ماما سے ملنے چلی جایا کروں اور اب اس طرح کے جو بھی قصے' کہانیاں تمہارے دماغ میں آ رہی ہیں' وہ تم پاپا کے آنے پر ان سے شیئر کر لینا کہ مجھے وہاں سے کیوں ادھر بھیجا گیا۔ وہ یقیناً" تمہیں کوئی تسلی بخش جواب دے سکیں گے' اوکے۔"
وہ بہت ٹھنڈے ٹھار لہجے میں سکون سے کہتے ہوئے اسے پلکیں جھپکائے بغیر دیکھ رہی تھی۔
اور پری جتنی بھی نادان ناسمجھ سہی اتنا تو وہ سمجھتی تھی کہ اس طرح کی بات پاپا سے کرنے کا کیا نتیجہ ہو سکتا ہے۔
اور وہ اتنی بھی بے وقوف نہیں تھی کہ ایسے گھٹیا سوال کر کے خود کو پاپا کی نظروں سے گراتی۔
"چلو' میں بھی دیکھتی ہوں' کتنے دنوں تک تم پاپا کی گڈبک میں رہتی ہو۔ آپی مثال!" وہ پیچھے سے چیلنج کرنے والے انداز میں بولی تو مثال ان ہی قدموں پر ٹھٹک گئی۔
اس نے گردن موڑ کر پری کی نفرت بھری نظروں کو دیکھا اور کچھ کہے بغیر باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼
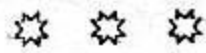
"نہیں۔۔۔ پاپا۔۔۔ کچھ بھی نہیں۔۔۔ ایسا تو کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ نہ کوئی جھگڑا' نہ کوئی ایسی بات۔"
وہ رات کے اندھیرے میں باپ کے سامنے سر جھکائے اپنی انگلیاں مسلتی مضطرب سی بیٹھی تھی۔
عدیل کی نظریں مثال کے چہرے پر جمی تھیں۔
اسے مثال کی بات سے اتفاق تھا نہ اس کی تسلی ہوئی تھی۔ مگر اس کے چہرے سے چھلکتا اضطراب اور آنکھوں میں جھانکتا خوف اس ان کہی کہانی کی تائید کر رہا تھا جو وہ شام میں بشریٰ کے لہجے سے اخذ کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔
عدیل اس کی بات کے جواب میں بہت دیر سے چپ تھا۔
مثال نے آہستگی سے پلکیں اٹھا کر باپ کی طرف دیکھا۔ وہ کسی اور ہی سمت میں دیکھتے ہوئے کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔
"پاپا۔۔۔ اگر آپ کو اچھا نہیں لگ رہا میرا یہاں آنا تو۔۔۔ میں۔۔۔" وہ کچھ دیر بعد نم لہجے میں ادھورا سا جملہ بول کر خود کو کمپوز کرنے لگی۔
"تو کیا کرو گی' کوئی تیسرا ٹھکانہ بھی ہے تمہارا؟" عدیل کے تلخ لہجے نے مثال کو گنگ سا کر دیا۔ اسے عدیل سے ایسی بات کی توقع نہیں تھی۔
مگر عدیل بھی کیا کرتا۔ شام سے آفس سے آنے کے بعد اب رات کے کھانے تک اس نے جتنی بکواس عفت اور پری کی نہ ماننے والی ناراضی کو برداشت کیا تھا۔ اسے بخوبی آنے والے دنوں کی سختی کا اندازہ ہو رہا تھا۔
عفت کبھی بھی مثال کو ہمیشہ کے لیے اس گھر میں برداشت نہیں کرے گی۔

اور پری عفت ہی کی بیٹی ہے جسے اپنے اکلوتے ہونے کا اور ماں باپ کے لاڈلے ہونے کا بہت زعم ہے۔
بھری محفل میں وہ اور عفت علی الاعلان کہتی تھیں کہ پریشے ان کی ایک ہی بیٹی ہے۔ ایک بیٹا دانیال اور ایک
بیٹی پریشے۔
اب یہ مثال کہاں سے ٹپک پڑی ان کے گھر میں بٹوارہ ڈالنے کے لیے۔
"اس کی ماں اور باپ کو کچھ عرصے کے لیے مجبوراً" ملک سے باہر جانا پڑ گیا ہے۔ کوشش کے باوجود مثال کا ویزا
نہیں لگ سکا۔ چھ' آٹھ ماہ میں وہ واپس آجائیں گے تو یہ اپنی ماں کے پاس چلی جائے گی۔ ہمیشہ کے لیے نہیں
آئی۔" بہت سوچنے کے بعد عدیل کو یہی ایک مضبوط بہانہ سوجھا تھا عفت کے غصے کو کم کرنے کا۔ اس نے عدیل
کی بات کا یقین نہیں کیا تھا۔
مگر فی الوقت یقین کرنے کے سوا اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔
"میں چھ' آٹھ ماہ میں مثال کا کوئی اچھا رشتہ دیکھ کر اس کی شادی کردوں گا' تو یہ مسئلہ ہمیشہ کے لیے حل ہوجائے
گا۔"
عدیل اس بات کو سوچ کر دل میں بہت مطمئن تھا اور آج ہی سے اس نے اپنے اردگرد دور و نزدیک خاندان میں
اور باہر کوئی ایسا موزوں رشتہ مثال کے لیے سوچنا شروع کردیا تھا جلد از جلد اس کی بیٹی کو بخوشی بیاہ کرلے جاسکے۔
"اگرچہ وہ ابھی کم عمر ہے۔ مگر اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں۔" وہ خود کو سمجھا چکا تھا۔
"اور تم پریشان نہیں ہو' تیسرا ایسا کوئی بھی آپشن میں سوچ چکا ہوں۔ تم عفت اور پری سے یہی کہنا کہ بشریٰ
تمہیں یہاں صرف چند ماہ کے لیے چھوڑ کر گئی ہے' اوکے۔" چند لمحوں بعد معلوم نہیں اسے اپنے جملے کی تلخی کا
احساس ہوا تھا یا مثال کی تشفی کے لیے اس نے یہ بات کہی تھی۔ مگر مثال اسی طرح سر جھکائے خاموش بیٹھی
رہی۔
بابا پر تو اسے دنیا سے زیادہ بھروسا اور مان تھا۔ وہ اسے کبھی بھی بے یارومددگار نہیں چھوڑیں گے۔ اسے اندھا
یقین تھا۔
اس کی آنکھوں سے ٹوٹ کر دو آنسو اس کی ہتھیلیوں پر گرے۔
"اور کوشش کرنا کہ عفت اور پری کے ساتھ تو تم کسی قسم کا کوئی ایشو کھڑا نہ کرو۔ وہ دونوں جو بات کہیں سخت یا
نرم' اسے خاموشی سے سن لیا کرنا۔ چند ماہ کی بات ہے' پھر ان شاء اللہ سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔"
مثال نے چونک کر باپ کو دیکھا۔

"چند ماہ بعد...... کیا ہونے والا ہے' کیا بشریٰ اسے واپس لے جائے گی۔ بابا کا یہ خیال ہے تو ان کی بھول ہے احسن
کمال اب کبھی بھی مجھے اپنے گھر میں قبول نہیں کرے گا۔" اسے اور بھی رونا آنے لگا۔
اسے لگا وہ اپنے باپ پر کوئی بہت بڑی مصیبت بن کر نازل ہوئی ہے اور اس کی وجہ سے اس کے باپ کے
کندھے چند گھنٹوں میں جھک سے گئے ہیں۔
"کاش میں یہاں نہ آتی۔" وہ چپکے سے عدیل کے گہری سوچ میں ڈوبے چہرے کو دیکھ کر خود سے بولی۔
"تو پھر میں اور کہاں جاتی؟" وہ سخت رنجیدہ تھی۔
"اب جاکر سو جاؤ تم اور سنو مثال! تمہارا یہ فائنل سیمسٹر ہے نا کالج میں؟" وہ بہت دیر کچھ یاد کرکے بولا تھا۔
"جی بابا!" وہ گھٹی ہوئی آواز میں آہستگی سے بولی۔
"اچھی بات ہے۔ تم اپنا فوکس صرف اپنی اسٹڈیز پر کرنا۔ عفت کے ساتھ گھر کے کاموں میں ہیلپ کرادیا کرنا

اور اپنے کام سے کام رکھنا اور کوشش کرنا پری سے بالکل نہیں الجھو، تم جتنا میری باتوں کو یاد رکھو گی اور ان پر عمل کرو گی میرے لیے زندگی کچھ باسہولت ہو جائے گی۔ تم سمجھ رہی ہو نا میں تم سے کیا چاہ رہا ہوں۔"

اسے ایک بار پھر اپنے باپ کی بے بسی پر شدت سے رونا آرہا تھا۔ وہ چہرہ جھکائے یوں ہی زور سے گردن اثبات میں ہلائے گئی۔

"بیٹا! میں نہیں چاہتا کہ گھر کا ماحول خراب ہو، خوامخواہ کوئی بدمزگی، کوئی رنجش ہو۔ عفت دل کی بری نہیں ہے اگر تم تحمل سے اسے اپنی ماں کی جگہ رکھ کر اس کے ساتھ رہو گی تو تمہیں اس کا برتاؤ بہت ناگوار نہیں گزرے گا۔" وہ رک رک کر اسے آنے والے دنوں کے لیے تیار کر رہا تھا۔ "پھر پری اور دانی تو تمہاری چھوٹے بہن اور بھائی ہیں جن سے تمہیں بھی بہت محبت ہے نا۔"

مثال اسی طرح سر جھکائے اثبات میں گردن ہلا گئی۔

"آپ بڑی بہن ہو ان کی۔ ان کا خیال کرو گی تو وہ بھی آپ کا خیال کریں گے۔ آپ سے محبت کریں گے۔ اسی طرح گھر کی فضا اچھی رہے گی اور میں سکون سے آنے والے دنوں میں تمہارے لیے کوئی بہتر فیصلہ کر سکوں گا۔"

عدیل کی آخری بات پر مثال نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کیسا فیصلہ پاپا؟" وہ پوچھے بغیر رہ نہ سکی۔

"میں چاہتا ہوں میری مثال بہت خوش رہے، اس کے اخلاق، اس کا رویہ دوسروں سے سلوک سب اتنا اچھا ہو، مہربان محبت کرنے والا کہ میری بیٹی ایک مثال بن سکے۔ تم سمجھ رہی ہو نا۔"

وہ اس کے سوال کو ٹال کر اس کے اوپر رکھی ذمہ داری اور بردباری کی گٹھڑی میں کچھ اور بوجھ بڑھاتا چلا گیا۔ کہ اس گھر کے ماحول کو ٹھیک رکھنے کی تمام تر ذمہ داری مثال کی تھی۔ اس کا رویہ اس کا سلوک سب اتنا مثالی ہونا چاہیے کہ عفت کو اور اس کے بچوں کو اس سے کبھی کوئی شکایت نہ ہو۔ کم از کم عدیل تک ایسی کوئی شکایت نہیں پہنچے۔

"پاپا! میں اگر فرشتہ بھی بن کر رہوں گی اس گھر میں تو بھی آپ کی سیکنڈ وائف اور آپ کے بچوں کو خوش نہیں کر سکوں گی۔" وہ باپ کو دیکھتے ہوئے افسردگی سے دل میں سوچنے لگی۔

"اب تم جاؤ۔ کافی رات ہو گئی ہے کوئی بھی مسئلہ ہو، کوئی بھی ضرورت ہو۔ تم صرف مجھ سے بات کرو گی۔ اوکے۔"

وہ اسے برسوں پہلے والی نصیحت یاد دلاتے ہوئے بولا۔ جس پر عمل کرنے کی نوبت آج تک نہیں آسکی تھی۔ اتنے سالوں میں جب بھی مثال اپنے مسئلے اور ضرورتیں لے کر عدیل کے پاس آئی تھی اس کے پاس ان کو سننے کے لیے ان کو حل کرنے کے لیے وقت نہیں ہوتا تھا۔ سن بھی لیے جاتے وہ مسئلے تو ان کو حل کبھی نہیں کیا گیا تھا اور اب پھر وہی ایک باپ کے فرض سے سبکدوش ہونے والی کوشش!

مثال کچھ کہے بغیر اٹھ کر باہر نکل گئی۔

عدیل اسے جاتا دیکھتے ہوئے ابھی بھی بہت کچھ سوچ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

جاب واثق کی توقع سے بہت بڑھ کر تھی۔



کیمیکل بنانے کی اس فیکٹری میں شہزاد نے اسے بہت اچھی سیٹ آفر کی تھی۔ بلکہ سیلری پیکج بھی بہت اچھا تھا۔

پھر کام کا اسکوپ بہت تھا اور واثق جو یہ سوچ کر گیا تھا کہ اگر جاب اس کے جی کو نہیں لگی تو وہ مروت اور لحاظ میں آئے بغیر شہزاد کو صاف انکار کر آئے گا۔

"یہ سیلری پیکج اس ماہ کے لیے ہے کہ اس پیریڈ میں ہمیں بہت سے آرڈر پورے کرنے ہیں اگر ہم اس گول کو کامیابی سے اچیو کرلیں گے تو تمہارا پیکج اس سے تقریباً" ڈبل کر دیا جائے گا۔" شہزاد کی بات پر وہ ہنس پڑا۔

"نہیں یار! مجھے لالچ نہیں بناؤ میں اپنے کام کو پوری دیانت داری سے کرنا چاہتا ہوں کہ میری ماں نے مجھے ہمیشہ رزق کو حلال کرکے کھانے کا سبق پڑھایا ہے، ابھی مجھے صرف اپنے کام میں دلچسپی ہے، آگے ملنے والے پیکج میں نہیں۔" وہ صاف گوئی سے بولا۔

"ویل اینڈ گڈ اور یار ہماری فیکٹری کے کیا بلکہ ہر جگہ موجود کام کرنے والا ایسی سوچ رکھ کر اپنا کام خوب لگن سے کرے تو میرے خیال میں کہیں بھی کوئی کمی نہ رہے اور کرپشن تو جڑوں سے ہل جائے۔" شہزاد بھی اس کی سوچ سے متاثر ہوا تھا۔

"بالکل... کیا ہم آج ہی اپنے پروجیکٹس ڈسکس کرلیں جو ہمیں اگلے تین ماہ کے دوران مکمل کرنے ہیں۔" واثق کام کرنے کے لیے بے چین تھا۔ فوراً" ہی بولا۔

"کیوں نہیں۔ لیکن پہلے کافی یا چائے۔ بتاؤ کیا چلے گا؟"

"کافی ہی منگوالو۔" وہ سر ہلا کر بولا۔

"ایک سال پہلے تک پاپا ہی سب کچھ دیکھا کرتے تھے۔ میں تو کبھی کبھار جب دل چاہا آفس آجایا کرتا تھا۔ کچھ ایسی پابندی نہیں تھی مجھ پر۔ لیکن چھ سات ماہ پہلے پاپا کی طبیعت خراب ہوئی تو پھر وہ ٹھیک ہی نہیں ہو سکے تو مجبوراً" سب کچھ مجھے سنبھالنا پڑا۔ یقین کرو شروع میں تو جب سارا کچھ میرے سر پر پڑا تو ایک بیک میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ کافی وقت لگا مجھے سب کچھ سمجھنے میں۔" شہزاد اس کے سامنے لیپ ٹاپ کھول کر پروجیکٹس کی فائل نکالتے ہوئے بتانے لگا۔

"اوہ کیا ہوا ہے تمہارے فادر کو؟"

"پیرالائز ہیں پچھلے تین ماہ سے۔"

"اووہ ویری سیڈ۔ اللہ انہیں صحت دے۔ میں کسی وقت جاؤں گا تمہارے ساتھ انہیں دیکھنے۔"

"ہاں ضرور۔ اچھا یہ دیکھو، یہ پہلا پروجیکٹ جو ہمیں صرف چالیس دن میں مکمل کرنا ہے۔"

اس نے لیپ ٹاپ واثق کے آگے کھسکایا اور دونوں ڈسکشن کرنے لگے۔

☆ ☆ ☆

"نہیں پاپا! مجھے نہیں جانا۔" پری نے قطعیت سے کہا۔

عفت کے ساتھ عدیل نے بھی کچھ حیران ہو کر اسے دیکھا۔

"لیکن مجھے تو جانا ہے۔ یہ بات صرف تمہاری طرف سے نہیں ہو سکتی۔ پاپا! مجھے چلنا ہے سیر کے لیے۔" دانی بھی حتمی لہجے میں بولا۔

مثال سب کے لیے گرم چائے لے کر آرہی تھی۔
وہ چائے میز پر رکھ کر خاموشی سے واپس پلٹ گئی۔
عدیل نے ایک نظر اسے جاتے دیکھا۔
"تم ناشتا نہیں کررہیں ہمارے ساتھ؟" وہ پیچھے سے مثال کو پکارنا چاہتا تھا مگر عفت کی تیز نظروں سے خائف ہو کر اس نے اپنی پکار کو وہیں خاموش کرادیا۔
"تو ٹھیک ہے تم جاؤ مگر میں نہیں جارہی۔" پری اسی تمکنت بھرے لہجے میں بولی۔
"لیکن کیوں پری... جان! پاپا نے یہ پروگرام صرف تمہاری وجہ سے تو بنایا تھا۔" عفت اسے چھوٹے بچوں کی طرح چمکار کر بولی۔
"تو کیا اس گھر میں سارے پلان صرف پری بیگم کو خوش کرنے کے لیے بنتے ہیں .... میری مرضی، میری خوشی کچھ بھی نہیں۔"
دانی پری کے انداز پر بھڑک اٹھا اور زور سے ہاتھ میں پکڑا جوس کا گلاس میز پر پٹخ کر بولا۔
عدیل اور عفت اس کے انداز پر لحہ بھر کو گنگ سے رہ گئے۔
"دانی... یہ کیا طریقہ ہے بات کرنے کا؟" عفت نے اسے گھر کا۔
"ایک بات آج آپ مجھے کلیر کردیں۔ میری اس گھر میں کیا پوزیشن ہے۔ سیکنڈ سٹیزن ہوں میں کیا اس گھر کا؟"
وہ جیسے غصے میں بھرا ہوا تھا۔
"دانیال!" عدیل کچھ شاکڈ سا رہ گیا۔
"ہر بات میں صرف پری کی رائے پوچھی جاتی ہے۔ اس کا مشورہ جانا جاتا ہے۔ اس کی پسند ناپسند کو فوقیت دی جاتی ہے۔ تو پھر میری کیا حیثیت ہے یہاں۔ پہلے پری کی وجہ سے سیر کا پروگرام بنایا گیا۔ مجھ سے کسی نے نہیں پوچھا کہ میں جانا بھی چاہتا ہوں یا نہیں، جب میں مینٹلی تیار ہوگیا تو اب آپ کی لاڈلی کے کہنے پر اس پروگرام کو کینسل کردیا جائے گا۔ آئی نو ایسا ہی ہوگا شٹ۔ میں کون ہوں پھر۔" وہ ساڑھے پندرہ سال کا ساڑھے پانچ فٹ نکلتا قد، بھرے جسم اور میچور چہرے کے ساتھ ماں باپ کے سامنے کھڑا انہیں آنے والے سخت ترین دنوں کی جھلک دکھا رہا تھا۔
"مائی فٹ تو میں بھی اب کبھی کہیں بھی۔ کہیں بھی نہیں جاؤں گا اوکے۔" اس نے زور سے میز پر مکا مارا ناشتے کے لوازمات اور برتن بری طرح سے کھنکھنا کر رہ گئے۔
کرسی کو ٹھوکر مار کر لڑھکاتا ہوا دروازے کو لات رسید کرتا وہ کمرے سے ہی نہیں گھر سے بھی باہر جاچکا تھا۔ اور وہ چاروں بالکل گنگ تھے۔
جیسے کسی بڑے طوفان کے گزر جانے کے بعد ہر طرف خاموشی چھا جاتی ہے۔

"دیکھا تم نے اس کی حرکت کو۔ اسے یہ تمیز ہے بڑوں سے بات کرنے کی۔ کیا پڑھنے جاتا ہے یہ اتنے مہنگے اسکول میں۔ یہ لڑکا میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا عفت! تم اس کی ایسی تربیت کررہی ہو۔ یہ... یہ تو بالکل ہاتھوں سے نکل چکا ہے اور تم ایسی بے خبر ہیں اس سے۔" عدیل بری طرح سے صدمے میں تھا اور عفت سے تو جواب میں کچھ بولا نہیں گیا۔ پری نے کے لیے بھی یہ سب خلاف امید تھا وہ بھی جیسے ڈر کر بالکل خاموش ہوگئی تھی۔
عدیل کچھ بھی کھائے بغیر نڈھال سا ڈائننگ ٹیبل سے اٹھ کر چلا گیا اور عفت چاہنے کے باوجود اسے روک



نہیں سکی۔
دانی کے ری ایکشن نے اسے بھی سخت خوف زدہ کردیا تھا۔ ایسا تو وہ کبھی بھی نہیں تھا۔ پھر اسے ہوا کیا۔
وہ بس یہی سوچ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ پبلک لائبریری کے باہر سیڑھیوں پر دونوں گھٹنوں کے گرد بازو کا گھیرا کیے بیٹھی کسی گہری سوچ میں گم تھی۔
وہ اندر کی طرف آتے ہوئے اسے دیکھ کر بے اختیار ٹھٹکا تھا۔
اس کے ارد گرد لوگ آجا رہے تھے۔ مگر وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر تھی، شام کے سائے گہرے ہورہے تھے۔ پرندے شور مچاتے اپنے گھونسلوں کو لوٹ رہے تھے وہ ان کے شور کو بھی سن نہیں رہی تھی۔
واثق آہستگی سے اس کے دوسری طرف جاکر بیٹھ گیا۔
وہ اسی طرح کسی اسٹیچو کی مانند ساکت تھی۔
"تو جواب ملی پھر تمہیں؟" بہت دیر بعد واثق نے اس گہرے سکوت کو آہستگی سے توڑا۔
"نہیں۔" اس نے حرکت کیے بغیر آہستگی سے جواب دیا۔
تو وہ اتنی بھی غافل نہیں بیٹھی تھی جتنا اسے واثق سمجھا تھا۔
"تو کوشش ترک کردی؟" وہ اسے بولنے پہ اکسانے کے لیے بولا۔
"نہیں۔" جواب پھر مختصر تھا۔
"اگر میں کچھ ہیلپ کرسکوں تو؟" وہ لہجے میں کچھ اور بھی نرمی اور اپنائیت سمو کر بولا۔
"نہیں۔" وہ اسی طرح کسی نادیدہ نقطے پر نگاہیں جمائے اسی لہجے میں بولی۔
"نہیں کے سوا اور کوئی جواب نہیں ہے تمہارے پاس۔" وہ اس کی نہیں کی تکرار پر جھنجلا کر بولا۔
"نہیں۔" وہ پھر اس ٹون میں اسے چڑانے کو بولی۔
اور اگلے لمحے اس کی طرف مڑ کر دیکھے بغیر اٹھ کر جانے لگی اور واثق کو پتا بھی نہیں چلا بالکل غیر ارادی طور پر اس نے مثال کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں جکڑ لیا۔
مثال کو جیسے ہزار والٹ کا کرنٹ لگا۔
وہ تڑپ کر مڑی۔
وہ مسکراتے چہرے کے ساتھ اپنائیت بھری مسکراہٹ سے اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے وہ روز اسی طرح ملا کرتے ہیں۔
"مسٹر..." وہ پورا زور لگا کر ہاتھ کھینچ رہی تھی۔
"واثق... واثق احمد نام ہے میرا اور آپ کا مثال... ہے نا۔" وہ اسی طرح اس کا ہاتھ اپنی مضبوط گرفت میں لیے اس کے سرخ ہوتے چہرے پر نظریں جمائے بولا۔

مثال کی آنکھیں کچھ حیرت سے پھیل سی گئیں۔
"بھئی اب اتنے مہینوں بلکہ شاید سالوں سے تو ہم مل رہے ہیں، میرا مطلب ہے آتے جاتے رستوں پر ٹکرا رہے ہیں تو اتنا حق تو ہے ایک دوسرے کے نام جان سکیں اور ایک دوسرے کے مسائل شیئر کرسکیں۔ ایم آئی رائٹ؟" وہ اس کے برابر کھڑا ہو کر اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا۔

"پلیز میرا ہاتھ چھوڑیں فوراً۔" وہ غصے میں غرا کر بولی۔

"ورنہ آپ تھپڑ کھینچ ماریں گی۔ ہے نا۔"

"میں یہ کر سکتی ہوں جانتے ہیں آپ۔ چھوڑیں مجھے۔" وہ اسے پرے دھکیل کر زور سے بولی تو اس نے ایک دم سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"آپ کہیں بھی چلی جائیں۔ آپ کا ہر راستہ مجھ تک آئے گا۔ اور یہ ہر بار اتفاقاً" نہیں ہوتا۔ بہتر ہے ہم کہیں بیٹھ کر بات کر لیں میں صرف یہ چاہتا ہوں۔"

وہ بولتا ہوا اب اس کے برابر چل رہا تھا۔

"مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی؟" وہ اس سے آگے نکلنے کی کوشش میں اب تقریباً" دوڑ رہی تھی۔

"پلیز آہستہ چلیں لوگ سمجھیں گے شاید ہم دونوں کسی میراتھن میں حصہ لینے جا رہے ہیں۔ سب ہماری طرف ہی دیکھ رہے ہیں۔" اس نے ڈرایا اور وہ ڈر گئی۔

بے اختیار دائیں بائیں دیکھنے لگی۔ لوگ گزر تو رہے تھے مگر ان کی طرف کوئی متوجہ نہیں تھا۔

"مثال! میں آپ کو جاب دلا سکتا ہوں بہت اچھی نہیں لیکن ایک مناسب جاب.... ایک اچھی اکیڈمی کو جونیئر ٹیچرز کی ضرورت ہے اگر آپ کا موڈ ہو تو اس ایڈریس پر چلی جائیے گا۔ آئی ہوپ آپ کا کام بن جائے گا۔ ظاہر ہے اسٹڈیز کے دوران آپ نائن ٹو فائیو والی جاب تو نہیں کر سکیں گی۔ فی الحال یہ اکیڈمی کی جاب آپ کو سوٹ کرے گی۔" کہہ کر وہ وزیٹنگ کارڈ اس کے ہاتھ میں تھما کر آگے بڑھ گیا مثال وہیں . کھڑی اس کو جاتے دیکھتی رہی۔

دوسری نظر اس نے وزیٹنگ کارڈ پہ ڈالی۔

"اس کو میرے بارے میں سب کچھ کیسے معلوم ہے۔ میرا نام' چلو جاب ڈھونڈنے کا پتا تو اسے میرے بک ایشو کروانے پر ہو گیا۔ میں پڑھ رہی ہوں اسے یہ بھی معلوم ہے اور پتا نہیں کیوں میں اس سے بہت سختی سے پیش نہیں آپائی۔

اور یہ ٹھیک کہتا ہے کہ ہم دونوں اتنی بار ٹکرا چکے ہیں کہ اب تو واقعی مجھے بھی اس کی عادت سی ہونے لگی ہے۔ پاپا کے گھر جب بھی آتی تھی میں انجانے پن میں اس کے کہیں نہ کہیں ملنے کی کیوں منتظر رہتی تھی۔"

وہ اب سست روی سے گھر کی طرف بڑھ رہی تھی۔

یہ پبلک لائبریری عدیل کے گھر سے پیدل کے راستے پر تھی اور کوئی نہ کوئی کتاب ایشو کروانے کے لیے وہ اکثر شام کو ادھر آجایا کرتی تھی اور آج تو سارا دن سارے گھر میں موت کا سا سناٹا رہا تھا۔ اس نے عفت کو لائبریری آنے کا بتایا تو اس نے کوئی جواب بھی نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے باہر نکل گئی تھی۔

کل شام میں میں اس اکیڈمی جاؤں گی۔ مجھے اس کا نام بھی کچھ دیکھا دیکھا لگ رہا ہے۔"

وہ کارڈ کو سرسری نظر سے دیکھ کر مٹھی میں دباتی شام گہری ہونے کے احساس پر تیز قدموں کے ساتھ گھر کی طرف چل پڑی۔

☆ ☆ ☆

سارا گھر پیک ہو چکا تھا۔

بھاری فرنیچر اور دوسرے سامان کو دو تین کمروں میں اکٹھا کر کے بحفاظت رکھ دیا گیا تھا۔

بہت سا سامان احسن کمال کے کہنے پر ضرورت مندوں میں یونہی دے دیا گیا تھا۔



اپنی آئینہ کی اور احسن کی پیکنگ وہ مکمل کر چکی تھی۔

اور وہ یہ سارے کام کسی روبوٹ کی طرح نبٹاتی رہی تھی۔ اس کی دلچسپی اب کسی بھی کام میں نہیں رہی تھی اسے یوں لگ رہا تھا۔ اب وہ جس سفر پر جانے والی ہے اس سے کبھی واپسی نہیں ہو گی۔

اس نے تھکی ہوئی نظر سارے گھر پر ڈالی کچھ بھی سمیٹنے کو نہیں رہ گیا تھا۔

رات گیارہ بجے کی فلائٹ تھی ان کی سڈنی کے لیے سیفی دو دن پہلے جا چکا تھا۔ وہ چھ سات ماہ بعد ہمیشہ کے لیے ان کے پاس آسٹریلیا آجاتا۔

آئینہ اور احسن کمال کچھ ضروری چیزوں کی شاپنگ کے لیے مارکیٹ گئے تھے۔ جہاں انہیں تین چار گھنٹے لگ سکتے تھے۔

ابھی ساڑھے چار ہوئے تھے اس کے پاس ٹائم تھا۔

وہ اس خیال کے آتے ہی بے چین سی اٹھ کھڑی ہوئی اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆
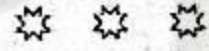
وہ کل کی ایشو کروائی ہوئی کتابیں لے کر چھت پر آگئی۔

بہت سوچنے کے باوجود بھی وہ اکیڈمی نہیں جا سکی تھی۔

پہلے پاپا سے بات کروں لیکن آج کل ان کا موڈ بہت آف ہے۔ اگر انہیں بعد میں پتا چلا تو ناراض ہو جائیں گے۔ وہ یہی سوچ کر نہیں گئی۔

اور گھر کا ماحول تو ابھی بھی بہت خراب تھا۔

دانی نے عفت کے لاکھ سمجھانے بجھانے کے باوجود عدیل سے معذرت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

عفت کو پہلی بار عدیل سے بہت شرمندگی ہوئی تھی۔ وہ رات بہت دیر سے گھر آیا اور کچھ بھی کھائے بغیر خاموشی سے سونے کے لیے لیٹ گیا تھا۔ اور صبح بھی خاموشی سے خالی چائے پی کر آفس چلا گیا تھا۔ پری بھی بالکل خاموش تھی۔

اور مثال سے تو کسی کو کوئی غرض نہیں تھی۔ ان دو دنوں میں اس نے کچن کا گھر کا سارا کام سنبھال لیا تھا کہ کہیں کوتاہی ہو جانے پر بیٹے کا غصہ عفت اس پر نہ نکال دے۔

مگر عفت بالکل بھی اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔

"ماما نے اتنے دنوں سے مجھے ایک بار بھی فون نہیں کیا۔ مجھ سے بات نہیں کی جیسے انہیں ایسے کسی بہانے کی تلاش تھی کہ وہ مجھ سے پیچھا چھڑا لیتیں۔ وہ انہیں سیفی نے دے دیا تھا۔"

ایک دم سے اسے بشریٰ کی بے اعتنائی کا خیال آیا آنکھیں بھر آئیں۔ نیچے سڑک پر گاڑی کے رکنے اور گاڑی کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز پر وہ یونہی بے دھیان سی بیٹھی رہی۔

"وہ کہیں مما مجھے لینے تو نہیں آگئیں؟" بہت دیر بعد اسے اچانک جیسے خیال آیا تو وہ تیزی سے نیچے بھاگ گئی۔

☆ ☆ ☆

عفت سامنے کھڑی اس خوب صورت' پر وقار اداس حسن والی ادھیڑ عمر عورت دیکھ کر کچھ چونکی تھی۔

"میں بشریٰ... مثال ہے گھر پر؟" وہ بہت رک رک کر بولی تھی' عفت شاکڈ سی کھڑی رہ گئی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔۔بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصلحتاً "بیٹا بہو سے لگاوٹ دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پا جاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن فوزیہ کی ساس زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بشریٰ اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کر دیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کر کے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کر کے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آ رہے ہوتے ہیں کہ ڈکیتی کی واردات میں قتل ہو جاتے ہیں۔

عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے وصول کر پاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کر رہا ہے۔

اسلام آباد سے واپسی پر عدیل دونوں مقتولین کو دیکھتا ہے۔ زاہدہ، نسیم بیگم سے بیس لاکھ روپے سے مشروط فوزیہ کی

رخصتی کی بات کرتی ہیں۔ وہ سب پریشان ہوجاتے ہیں۔ عدیل بشریٰ سے ذکیہ بیگم سے تین لاکھ روپے لانے کو کہتا ہے۔
حمیدہ خالہ، عاصمہ کو سمجھاتی ہیں کہ عدت میں زبیر کا اکیلے اس کے گھر آنا مناسب نہیں ہے۔ لوگ باتیں بنارہے ہیں جبکہ عاصمہ کی مجبوری ہے کہ گھر میں کوئی مرد نہیں۔ اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور سارے کام اس نے خود کرنے ہیں۔ وہ جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔ عاصمہ کے کہنے پر زبیر کسی مفتی سے فتویٰ لے کر آجاتا ہے کہ دوران عدت انتہائی ضرورت کے پیش نظر گھر سے نکل سکتی ہے بشرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر آجائے، سو وہ عاصمہ کو مکان دکھانے لے جاتا ہے۔ اور موقع سے فائدہ اٹھا کر اسے اپنی ہوس کا نشانہ بناتا ہے اور وہیں چھوڑ کر فرار ہوجاتا ہے۔
رقم مہیا نہ ہونے کی صورت میں فوزیہ کو طلاق ہوجاتی ہے۔ نسیم بیگم جذباتی ہوکر بہو اور اس کے گھر والوں کو مورد الزام ٹھہرانے لگتی ہیں۔ اسی بات پر عدیل اور بشریٰ کے درمیان خوب جھگڑا ہوتا ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو دھکا دیتا ہے۔ اس کا ابارشن ہوجاتا ہے۔ عدیل شرمندہ ہوکر معافی مانگتا ہے مگر وہ ہنوز ناراض رہتی ہے اور اسپتال سے اپنی ماں کے گھر چلی جاتی ہے۔
اسی اسپتال میں عدیل عاصمہ کو دیکھتا ہے جسے بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا ہوتا ہے۔ عاصمہ اپنے حالات سے تنگ آکر خودکشی کی کوشش کرتی ہے تاہم بچ جاتی ہے۔ نو سال بعد عاصمہ کا بھائی ہاشم پریشان ہوکر پاکستان آجاتا ہے۔ عاصمہ کے سارے معاملات دیکھتے ہوئے ہاشم کو پتا چلتا ہے کہ زبیر نے ہر جگہ فراڈ کرکے اس کے سارے راستے بند کردیے ہیں اور اب مفرور ہے۔ بہت کوششوں کے بعد ہاشم، عاصمہ کو ایک مکان دلا پاتا ہے۔
بشریٰ اپنی واپسی الگ گھر سے مشروط کردیتی ہے۔ دوسری صورت میں وہ علیحدگی کے لیے تیار ہے۔ عدیل سخت پریشان ہے۔ عدیل مکان کا اوپر والا پورشن بشریٰ کے لیے سیٹ کروادیتا ہے اور کچھ دنوں بعد بشریٰ کو مجبور کرتا ہے کہ وہ فوزیہ کے لیے عمران کا رشتہ لائے۔ نسیم بیگم اور عمران کسی طور نہیں مانتے۔ عدیل اپنی بات نہ مانے جانے پر بشریٰ سے جھگڑتا ہے۔ بشریٰ بھی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتی ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو طلاق دے دیتا ہے اور مثال کو چھین لیتا ہے۔ مثال بیمار پڑجاتی ہے۔ بشریٰ بھی حواس کھو دیتی ہے۔ عمران بہن کی حالت دیکھ کر مثال کو عدیل سے چھین کرلے آتا ہے۔ عدیل، عمران پر اغوا کا پرچا کٹوا دیتا ہے۔
عاصمہ اسکول میں ملازمت کرلیتی ہے مگر گھریلو مسائل کی وجہ سے آئے دن چھٹیاں کرنے کی وجہ سے ملازمت چلی جاتی ہے۔ اچانک ہی فوزیہ کا کہیں رشتہ طے ہوجاتا ہے۔
انسپکٹر طارق دونوں فریقین کو سمجھا بجھا کر مصالحت پر آمادہ کرتے ہیں۔ ذکیہ بیگم کی خواہش ہے کہ عدیل، مثال کو لے جائے، تاکہ وہ بشریٰ کی کہیں اور شادی کرسکیں۔ دوسری طرف نسیم بیگم بھی ایسا ہی سوچ بیٹھی ہیں۔ فوزیہ کی شادی کے بعد نسیم بیگم کو اپنی جلد بازی پر پچھتاوا ہونے لگتا ہے۔
انسپکٹر طارق، ذکیہ بیگم سے بشریٰ کا رشتہ مانگتے ہیں۔ ذکیہ بیگم خوش ہوجاتی ہیں، مگر بشریٰ کو یہ بات پسند نہیں آتی۔ ایک پراسراری عورت عاصمہ کے گھر بطور کرائے دار رہنے لگتی ہے۔ وہ اپنی حرکتوں اور انداز سے جادو ٹونے والی عورت لگتی ہے۔ عاصمہ بہت مشکل سے اسے نکال پاتی ہے۔
بشریٰ کا سابقہ منگیتر احسن کمال ایک طویل عرصے بعد امریکا سے لوٹ آتا ہے۔ وہ گرین کارڈ کے لالچ میں بشریٰ سے منگنی توڑ کر نازیہ بھٹی سے شادی کرلیتا ہے، پھر شادی کے ناکام ہوجانے پر ایک بیٹے سیفی کے ساتھ دوبارہ اپنی چچی ذکیہ بیگم کے پاس آجاتا ہے اور دوبارہ بشریٰ سے شادی کا خواہش مند ہوتا ہے۔ بشریٰ تذبذب کا شکار ہوجاتی ہے۔
بشریٰ اور احسن کمال کی شادی کے بعد عدیل مستقل طور پر مثال کو اپنے ساتھ رکھنے کا دعوا کرتا ہے مگر بشریٰ قطعی نہیں مانتی، پھر احسن کمال کے مشورے پر دونوں بمشکل راضی ہوجاتے ہیں کہ مہینے کے ابتدائی پندرہ دنوں میں مثال، بشریٰ کے پاس رہے گی اور بقیہ پندرہ دن عدیل کے پاس۔ گھر کے حالات اور نسیم بیگم کے اصرار پر بالآخر عدیل عفت سے شادی کرلیتا ہے۔ والدین کی شادی کے بعد مثال دونوں گھروں کے درمیان گھن چکر بن جاتی ہے۔ بشریٰ کے گھر میں سیفی اور احسن اس کے ساتھ کچھ اچھا برتاؤ نہیں کرتے اور عدیل کے گھر میں اس کی دوسری بیوی عفت۔ مثال کے لیے مزید زمین تنگ، بشریٰ

اور عدیل کے نئے بچوں کی پیدائش کے بعد بڑھ جاتی ہے۔ مثال اپنا اعتماد کھو بیٹھتی ہے۔ احسن کمال اپنی فیملی کو لے کر ملائیشیا چلا جاتا ہے اور مثال کو تاریخ سے پہلے عدیل کے گھر بھجوا دیتا ہے۔ دوسری طرف عدیل اپنی بیوی بچوں کے مجبور کرنے پر مثال کے آنے سے قبل اسلام آباد چلا جاتا ہے۔ مثال مشکل میں گھر جاتی ہے۔ پریشانی کی حالت میں اسے ایک نشئی تنگ کرنے لگتا ہے تو عاصمہ آکر اسے بچاتی ہے۔ پھر اپنے گھر لے جاتی ہے۔ جہاں سے مثال اپنے ماموں کو فون کر کے بلواتی ہے اور اس کے گھر چلی جاتی ہے۔

عاصمہ کے حالات بہتر ہو جاتے ہیں۔ وہ نسبتاً "پوش ایریا میں گھر لے لیتی ہے۔ اس کا کوچنگ سینٹر خوب ترقی کر جاتا ہے۔ اسے مثال بہت اچھی لگتی ہے۔ مثال، واثق کی نظروں میں آچکی ہے تاہم دونوں ایک دوسرے سے واقف نہیں ہیں۔

عاصمہ کا بھائی ہاشم ایک طویل عرصے بعد پاکستان لوٹ آتا ہے اور آتے ہی عاصمہ کی بیٹیوں اریشہ اور اریبہ کو اپنے بیٹوں وقار، وقاص کے لیے مانگ لیتا ہے۔ عاصمہ اور واثق بہت خوش ہوتے ہیں۔

مثال کو نیند میں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی اسے گھسیٹ رہا ہے۔

## ۲۰
## بیسویں قسط

سب کچھ ویسے ہی تو تھا۔

یوں جیسے وہ ابھی تھوڑی دیر کے لیے اٹھ کر کچن میں گئی تھی اور اب یہاں بیٹھی کسی مہمان کا انتظار کر رہی ہو۔

اسے لگا جیسے وقت کا پہیہ اسے بے آواز پروں پر اڑاتا بیس سال پیچھے لے آیا ہو۔

جب وہ اس گھر کی مالک تھی۔ گھر کے مالک کا سب کچھ اور سب کچھ، کتنی جلدی 'کچھ بھی نہیں' میں بدلتا ہے اس کا تلخ ترین تجربہ اسے ہو چکا تھا۔

وہ تجربے کی اس جلتی بھٹی سے گزر آئی تھی۔ اگرچہ فرنیچر بدلا جا چکا تھا۔ پردے بھی بیس سال پہلے والے نہیں تھے۔ دیواروں پر ہوا رنگ و روغن بھی پہلے جیسا نہیں تھا۔ مگر ڈرائنگ روم کی وسعت ابھی بھی اتنی ہی تھی جب وہ یہاں ہوا کرتی تھی اور سامان کی ترتیب بھی وہی تھی، جو اس نے شادی کے اولین دنوں میں عدیل اور فوزیہ کے ساتھ مل کر کی تھی۔

پھر بدلا وُ کہاں تھا؟

عجیب بہکے بہکے خیالات اسے آرہے تھے۔ اس نے زور سے دونوں کنپٹیوں کو دبایا۔ اسے چکر آرہے تھے۔

اسے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ بیٹھے بیٹھے اسے بہت شدت سے احساس ہوا۔ جانے عدیل کیا سمجھتا۔ اس کی بیوی جس کا چہرہ اتنا سپاٹ اتنا برفیلا تھا۔

مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں کی الجھن کیسے بڑھی تھی۔

مثال یہاں اس گھٹے ہوئے گھر میں اس سخت رو عورت کے ساتھ باقی کی زندگی کیسے گزارے گی؟

عدیل... یہ ہم دونوں نے اپنی بیٹی کو کس امتحان میں ڈال دیا۔ اس کی پوری زندگی کو ایک آزمائش بنا دیا اور خود اسے عبرت کا نشان... دوسروں کے لیے مثال!

تم اس قسم کی مثال بنانا چاہتے تھے اسے سب دنیا کے والدین کے لیے۔

نہیں میری مثال جیسی قسمت تو کسی ماں باپ کی بیٹی کی نہیں ہو۔ کاش! اس وقت طیش، غصے اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی ضد نے ہم دونوں کو یوں اندھا نہ کر دیا ہوتا۔

صرف ایک بار.... ایک بار ہم دونوں رک کر اپنی اس معصوم بیٹی کے بارے میں کچھ تو سوچ لیتے کہ ہم دونوں الگ ہو جائیں گے تو اس کا کیا بنے گا۔

ہماری بیٹی تو رل گئی ہے اس کی زندگی تو عام لڑکیوں جیسی رہی ہی نہیں۔ اور جو کچھ اس رات اس کے ساتھ میرے گھر میں ہوا اگر وہ تمہیں بتا دیتی....

مگر نہیں کیسے بتاتی.... میں جانتی ہوں جیسی انجان ماں میں ہوں ویسے ہی بے خبر باپ تم بھی ہو۔

تم اپنی نئی بیوی اور دو بچوں کے سامنے جواب دہ ہو۔ چاہتے ہوئے بھی اپنی اس مظلوم بیٹی سے محبت پیار کے دو بول اکیلے میں بھی نہیں بول پاتے ہو گے۔ بالکل میری طرح جس نے ممتا کا گلا گھونٹتے گھونٹتے دیکھو بالکل ہی اس کی محبت کو ختم کر دیا۔

میری مثال....

''مما آپ!'' وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر بے آواز سسکیوں سے روتے ہوئے خود احتسابی میں مصروف تھی۔

وہ قطعاً'' بھول چکی تھی کہ وہ کہاں موجود ہے۔ مثال کی مدھم آواز نے اسے چونکا دیا۔ وہ یونہی ہاتھوں میں چہرہ چھپائے ذرا سا گھومی۔ بہت آہستگی سے اس نے اپنی بے کاجل آنکھوں کو مسلا۔

مثال ماں کے پیچھے بالکل ساکت کھڑی تھی۔

''بس گھنٹے بھر میں نکلنا تھا ہمیں تو یونہی مجھے لگا مجھے جانے سے پہلے تم سے ضرور ملنا چاہیے۔ بھلے ذرا سی دیر کے لیے ہی.... میں تم سے مل آؤں۔''

وہ رک رک کر خود کو سنبھالتے ہوئے بے ربطی سے بول رہی تھی۔ منہ نیچے کیے پرس میں کچھ تلاشتی ہوئی مثال سے بہت کچھ چھپانے کی سعی کرتی بشریٰ۔ ایک دم سے مثال کو بہت مظلوم لگی۔

''آپ فون پر بات کر لیتیں۔'' وہ ماں کی حالت سے آنکھیں چرا کر بے تاثر لہجے میں بولی۔

بشریٰ نیا ٹشو نکال کر اپنی آنکھیں اور چہرہ خشک کر چکی تھی اور ایک مصنوعی سی مسکراہٹ بھی ہونٹوں پر سجا چکی تھی۔

''جان! معلوم نہیں پھر کتنے عرصے کے بعد واپسی ہو.... ہو بھی یا....'' اس سے آگے وہ چاہتے ہوئے بھی کچھ بول نہیں پائی اور متجسس عفت باہر کھڑی کچھ اور بھی دروازے کے ساتھ چپک گئی۔

مثال کچھ بھی نہ بول سکی۔ اسے بھی امید نہیں تھی کہ اب اس کی ماں بھی واپس آسکے گی۔

وہ آنکھوں میں اترتی نمی کو چھپانے کے لیے ایک طرف پڑے بے ترتیب کشنز کو ترتیب دینے لگی۔

بشریٰ بے بسی سے مثال کے نازک جسم کو دیکھے گئی۔

''کتنی کمزور ہو گئی ہے مثال ان چند دنوں میں اس خوفناک رات کا اس نے بہت اثر لیا ہے۔'' اس نے دل میں خود سے سرگوشی کی۔

''مثال!'' وہ اس کے پاس آکر بہت آہستگی سے بولی۔

''جی ماما!'' مثال خود کو سنبھال چکی تھی۔ مڑ کر نارمل لہجے میں بولی۔

''تم نے یہاں۔ میرا مطلب ہے گھر میں۔ اپنے پاپا سے کچھ کہا تو نہیں؟'' وہ اٹک اٹک کر بولی۔

مثال نے الجھن بھری نظروں سے ماں کو دیکھا اور دوسرے لمحے جیسے سمجھ کر بے اختیار نظریں چرا گئی۔

''سیفی کے بارے میں؟'' بشریٰ سرگوشی میں بولی۔

مثال نے بمشکل نفی میں سر ہلایا۔ بشریٰ اسے دیکھتی رہ گئی اور پھر جیسے اس کے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔ وہ مثال کو ساتھ لپٹائے بے آواز آنسوؤں سے روتی چلی گئی اور گھر میں داخل ہوتا عدیل عفت کو دروازے

سے یوں چپکے دیکھ کر متجسس انداز میں آگے بڑھا۔
اور کھلے دروازے سے بشریٰ کو مثال سے یوں لپٹ کر روتے دیکھ کر لحہ بھر کو چونکا اور پھر شکستہ قدموں سے واپس مڑ گیا۔
جیسے اس کے دل نے ابھی گھر کے راستے کی طرف مڑتے ہوئے اسے خبر کی تھی کہ گھر میں بشریٰ ضرور موجود ہو گی اور وہ جاتے ہی اسے دیکھ لے گا۔ اس کا گمان یا اس کی خواہش ضرور پوری ہوئی تھی۔
مگر یہ سب چند لمحوں کا کھیل تھا۔
ایک نہ کہہ سکنے والی حسرت.....! اس کے واپسی کے قدموں نے عفت کو چونکایا۔ وہ عدیل کو جھکے کندھوں کے ساتھ واپس جاتے دیکھ کر کچھ چونکی، کچھ شرمندہ ہوئی۔
واپس مڑ جانے کے سوا اس کے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا جبکہ دل خواہش مند تھا کہ ان ماں بیٹی کے اس جذباتی منظر کا پس منظر ضرور جان کر رہے۔
وہ عدیل کے پیچھے ہی باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

دو بہت خوب صورت سونے کے جڑاؤ کنگن تھے، جو بشریٰ نے اپنی پرس سے نکالے تھے۔

ہاتھوں میں لیے انہیں حسرت بھری نظروں سے دیکھتی رہی۔ مثال ماں کے پاس بالکل خاموش بیٹھی تھی۔
بشریٰ نے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ لانے کی کوشش کی مگر پھر ایک سرد آہ بھر کر رہ گئی۔
"یہ کنگن میرے تھے بھی..... تمہارے پاپا نے دیے تھے، مجھے شادی کے وقت۔" وہ بہت سوچ سوچ کر بول رہی تھی کہ کچھ ایسا اس کے منہ سے نہ نکل جائے جو اس کی ابھی بھی عدیل سے وابستگی کو ظاہر کرے۔
"میں اس گھر سے نکالی تو خالی ہاتھ گئی تھی لیکن بعد میں ڈائیورس کے بعد....." ایک دم سے بشریٰ کے سینے میں درد کی تیز لہر اٹھی تھی۔
اس کے منہ سے بے اختیار سسکی نکلی۔ چہرے کا رنگ زرد ہو گیا۔ آنکھوں کے آگے چھاتا اندھیرا.... اسے لگا اس کی موت اسے یہاں کھینچ کر لائی ہے۔ درد کی لہر جیسے پورے سینے میں پھیلتی چلی گئی۔ وہ نڈھال سی ہو کر صوفے کی پشت سے لگ گئی۔ مثال نے پریشان ہو کر ماں کو دیکھا۔
ماما! آر یو آل رائٹ.... کیا ہوا ہے آپ کو.... درد ہو رہا ہے کہیں؟" وہ بے اختیار ماں کو کندھوں سے تھام کر کانپتی آواز میں بولی۔
بشریٰ زرد چہرے کے ساتھ آنکھیں بند کیے نفی میں سر ہلاتی گئی۔
"آپ.... آپ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہیں۔ میں پاپا کو.... ڈاکٹر کو بلا کر لاتے ہیں۔"
"نہیں مثال بیٹا.... میری جان!" بشریٰ نے پورا زور لگا کر خود سنبھالا۔ اس کی پیشانی ٹھنڈے پسینے میں نہا گئی تھی۔ درد سینے میں ابھی بھی تھا مگر اس کی شدت کم تھی۔
"ماما پلیز! آپ ٹھیک نہیں ہیں۔ میں پاپا کو بلاتی ہوں کال کر کے۔" مثال کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ بشریٰ کو اپنی بیٹی پر ٹوٹ کر پیار آیا۔
"مثال میری بیٹی! کاش میں امی کی بات نہیں مانتی۔ میں احسن کمال سے شادی نہیں کرتی تو آج مجھے یوں تمہیں خود سے جدا نہیں کرنا پڑتا اور اتنی دور کہ جہاں سے واپسی کی بھی کوئی امید نہیں۔ یہ دوری کا جان لیوا احساس جیسے مجھے ختم کر رہا ہے۔ کاش! میں نے احسن کمال پر بھروسا نہیں کیا ہوتا۔"

اتنے سالوں بعد گہرے ملال نے اسے آگھیرا تھا۔

"پلیز مما! ایسی باتیں نہیں کریں۔ یوں بھی یہ آپ کی تقدیر میں لکھا تھا آپ چاہتیں یا نہیں۔ اسی طرح ہونا تھا۔" مثال چہرہ جھکائے سنجیدگی سے بولی۔

"ہاں اسی طرح ہونا تھا۔ دو بے حس، کٹھور مردوں کی زندگی میں مجھے ایک کٹھ پتلی کی طرح آنا تھا اور....." وہ تکلیف سے کراہی۔

"مما پلیز۔" مثال کی سمجھ میں نہیں آیا وہ کیا کہے۔

"نہیں مثال! میں اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہنا چاہتی۔ نہ تم یہ سمجھنا کہ تمہاری ماں خود کو ہر الزام سے بے گناہ ثابت کرنا چاہتی ہے۔" وہ نقاہت زدہ لہجے میں رک رک کر بول رہی تھی۔

"میں نے آپ کو کوئی الزام نہیں دیا مما!" مثال بے تاثر لہجے میں بولی۔

"تمہاری یہ بے روح زندگی جس میں کوئی خوشی، کوئی ولولہ، کوئی امنگ نہیں ہے۔ ہم دونوں نے اپنی ضد اور خود غرضی میں ایک الزام بنا دیا۔ مثال! ہم دونوں چاہیں بھی تو خود کو بری الذمہ قرار نہیں دے سکتے۔"

وہ کسی دائمی مریض کی طرح کمزور لہجے میں بول رہی تھی۔ مثال کو لگا۔ اس کی ماں شاید آخری دموں پر ہے۔ وہ ڈر کر اسے دیکھنے لگی۔

اسی وقت بشریٰ کا فون بج اٹھا۔ وہ بے تاثر آنکھوں سے احسن کمال کے بلنک کرتے نام کو دیکھتی رہی۔

"مما! فون سن لیں۔" مثال ایک بار فون بجنے کے بعد پھر بجنے پر آہستگی سے بولی۔

"میں آ رہی ہوں۔ تھوڑی دیر میں۔ راستے میں ہوں۔" اس نے میکانکی انداز میں فون کان سے لگا کر رکھا اور فون بند کر دیا۔

کمرے میں فون کی رنگ ٹون کے بند ہوتے ہی گمبھیر خاموشی چھا گئی تھی۔

"مثال! سیفی والے واقعے کے بعد میری بچی! تم اتنا تو سمجھ ہی گئی ہو گی کہ تمہیں اپنی حفاظت کس طرح کرنی ہے۔" مثال ناسمجھی سے ماں کو دیکھنے لگی۔

"کاش! میں تمہیں اپنے ساتھ لے جا سکتی۔ لیکن نہیں اگر میں تمہیں ساتھ لے بھی جاتی تو بھی تمہارا خیال نہیں رکھ پاتی۔" وہ یونہی کرب سے ہنسی۔

مثال اس کو دیکھ کر رہ گئی۔

"اپنا بہت خیال رکھنا مثال! اور زندگی اس طرح سے نہیں گزارنا جیسے گزارتی آئی ہو۔ آنکھیں بند کر کے ڈر کر اور خوف زدہ ہو کر۔" معلوم نہیں بشریٰ اصل میں اسے کیا کہنا چاہتی تھی۔

"تھوڑا انڈی پینڈنٹ ہونا سیکھو..... یہ تمہارے باپ کا گھر ہے۔ تمہارا حق ہے یہاں۔ میں تو اپنا حق ادا نہیں کر سکی مگر یہاں تم اس طرح سے رہنا جیسے کوئی بیٹی اپنے باپ کے گھر رہتی ہے۔ جو بھی مسئلہ ہو، پاپا کو سب سے پہلے باخبر کرنا۔ عدیل بہر حال تمہیں مجھ سے زیادہ چاہتا ہے۔"

پتا نہیں اس بات کو جاننے میں، اس کا اقرار کرنے میں بشریٰ نے اتنے سال کیوں لگا دیے۔ اگر وہ یہ بات پہلے سمجھ جاتی تو مثال کی زندگی ایسی شٹل کاک جیسی نہیں ہوتی۔ وہ صرف عدیل کے ساتھ رہتی۔ بھلے ماں کو یاد کرتی مگر ایسی زندگی تو نہ جیتی۔

مگر اب اس گلے کا بھی کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ خاموش ماں کو دیکھتی رہی۔

"یہ کنگن بہت حفاظت سے اپنے پاس رکھنا۔ یہ تمہارے لیے میں نے سنبھال کر رکھے تھے۔ میں فون کرتی رہوں گی اور تمہارے لیے بہت دعائیں بھی۔" وہ نم لہجے میں رخ پھیر کر بولی۔ دونوں ایک دوسرے سے بہت کچھ

چھپا رہی تھیں اور جب بشریٰ گاڑی میں بیٹھ کر جا رہی تھی۔ مثال کو لگا۔ وہ اپنے دل کی سب نہ سہی بہت باتیں تو کر گئی مگر مثال کے دل کی کوئی بات نہیں سن کر گئی۔

اس کے دل کی باتیں جو اسے اپنی ماں سے کبھی کرنا تھیں' سب دل ہی میں رہ گئیں۔

مثال کو لگا یہ ساری باتیں اب اس کے ساتھ ہی کہیں اندر فنا ہو جائیں گی۔

وہ بشریٰ سے اب کبھی نہیں مل پائے گی اور نہ وہ باتیں کر پائے گی۔

اس نے آنکھوں پہ تنی دھند کی چادر میں شام کی مٹیالی روشنی میں دور جاتی بشریٰ کی گاڑی کو دیکھ کر ہاتھ بھی نہیں ہلایا۔

وہ یوں ساکت' بے حس اور غم زدہ کھڑی تھی جیسے کوئی اپنے بہت قریبی عزیز کو اس دنیا سے آخری بار جاتے ہوئے دیکھ رہا ہو۔

اس کی کلائی میں بشریٰ کے ڈالے ہوئے کنگن تھے اور دل ان کہی باتوں کا بوجھ لیے بھرا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں میں آنسو ٹھہرے ہوئے تھے۔

☼ ☼ ☼
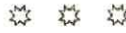
عدیل کھڑکی کا پردہ تھامے بے حس و حرکت کھڑا بوجھل قدموں سے جاتی بشریٰ کو دیکھ رہا تھا۔

جو گاڑی کے دروازے کے پاس پہنچ رکی تھی۔ کچھ دیر یونہی کھڑی رہی' پھر جیسے اپنی ہمت جمع کر کے اس نے آخری بار مڑ کر گیٹ پہ کھڑی مثال کو دیکھا۔ اور جانے کیسے اس کی نگاہ پلٹتے ہوئے بے اختیار کھڑکی میں کھڑے عدیل پہ آکر ٹھٹک گئی۔

ایک پل..... دو پل..... بہت سے خاموش ساکت پل ان دونوں کے ارد گرد جیسے دھول اڑاتے گزر گئے۔

آج اتنے سالوں میں پہلی بار بشریٰ کی آنکھوں میں عدیل کے لیے شکایت' شکوہ' نفرت' حقارت' طنز کچھ بھی نہیں تھا۔ غصہ بھی نہیں۔ دکھ بھی نہیں۔

صرف جدائی تھی..... دائمی جدائی۔

اور عدیل کی آنکھیں تو جیسے برسوں سے کچھ بھی کہنا بھول چکی تھیں' قریب سے کوئی گاڑی ہارن بجاتی گزری۔

اور بشریٰ نے بے اختیار ان ان کہی آنکھوں سے نظریں چرائیں اور میکانکی انداز میں گاڑی میں بیٹھ گئی۔ دونوں طرف کے شیشے چڑھ گئے اور گاڑی چل پڑی۔

عدیل اسے دور تک جاتا دیکھتا رہا۔

"کافی خوب صورت رہ چکی ہے آپ کی پہلی بیوی' بلکہ میں تو کہوں گی اس میں ابھی بھی ایک چھوڑ دو دو مردوں کو لبھانے بلکہ ٹھکانے کے لیے کافی حسن' پرسوز حسن موجود ہے۔"

عفت جانے کب اندر آئی تھی۔ عین عدیل کے کندھوں کے پیچھے سے باہر کی طرف جھانکتے ہوئے سرسراتی آواز میں بولی۔

باہر بشریٰ کی گاڑی کی ٹیل لائٹیں مٹیالی روشنی میں گم ہو رہی تھیں۔

عفت کو کچھ عرصے سے نسیم بیگم کے لہجے میں بات کرنے کی عادت ہو چلی تھی۔ اگرچہ دونوں میں پیچھے سے بھی کوئی قریبی یا دور کا رشتہ نہیں تھا لیکن پھر بھی عادتیں نہ سہی خصلتیں جہاں ملتی ہوں وہاں رشتوں کے قریبی یا دور ہونے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔

"کیا ہمیشہ کے لیے چلی گئی وہ؟" عدیل کی خاموشی بہت گہری خاموشی عفت کو چبھ رہی تھی۔ وہ چائے میں چینی

گھول رہی تھی اور لہجے میں زہر۔

وہ جواب میں پھر خاموش رہا' صرف منتظر نظروں سے چائے کے ملنے والے اس کپ کو تکتا رہا جس میں عفت مسلسل چمچہ چلائے جا رہی تھی۔

"پری کی کلاسز کب سے اسٹارٹ ہو رہی ہیں۔" بہت دیر بعد جب عفت جی بھر کر اپنا جی جلا چکی تو عدیل نے بہت غیر ضروری سوال کیا تھا۔ بہت بے نیاز لہجے میں۔

"پری سے پوچھ لیجئے گا۔ مجھے نہیں پتا۔" وہ جلے بھنے لہجے میں کلس کر بولی۔

کمرے کا ماحول بہت اجنبی سا ہو رہا تھا۔

ورنہ آج تو عفت نے سوچا تھا کہ وہ شام میں عدیل سے دانیال کے بارے میں بات کرے گی کہ اگر وہ اپنے بچپنے میں ضد پہ اڑ گیا ہے تو عدیل کو دل بڑا کر کے بچے کو خود سے بلا لینا چاہیے اور آئندہ اپنا زیادہ وقت دانی کے ساتھ گزارنا چاہیے۔ بہرحال وہ ان کا اکلوتا بیٹا ہے۔

مگر اس منحوس بشریٰ نے تو اسے جیسے سب کچھ بھلا ڈالا تھا۔

وہ تیز تیز گرم چائے پیتی چلی جا رہی تھی۔ ایک کے بعد دوسرا کپ بھی بغیر شکر ڈالے پی گئی۔

عدیل تو وہاں موجود ہی نہیں تھا جو نوٹس کرتا کہ عفت کے چہرے پر غصہ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔

"دانیال کو میرے پاس بھیجو۔" وہ جل کڑھ کر برتن اٹھا کر لے جا رہی تھی جب عدیل نے سرد لہجے میں کہا۔

عفت بے اختیار ٹھٹک کر رک گئی۔ عدیل کے چہرے کا بغور جائزہ لینے لگی کہ کہیں دانی کی کلاس تو نہیں ہونے والی۔

"اکیڈمی تو وہ جا نہیں رہا تو پھر گھر پر ہی ہو گا ناں تو بھیجو اسے میرے پاس۔" عدیل اسے یوں کھڑے دیکھ کر جتانے والے انداز میں بولا۔

"ہاں مگر......" عفت کچھ متذبذب سی ہوئی۔

"کیا وہ یہاں میرے پاس نہیں آئے گا؟" عدیل کچھ ترش سے بولا۔

"نہیں یہ بات نہیں ہے عدیل!" وہ اب کے کچھ صلح جو نرم لہجے میں بولی۔

"بچہ ہے تو......" وہ لجاجت سے کچھ کہنے جا رہی تھی۔

"تو کیا اس نواب کے پاس مجھے چل کر جانا چاہیے۔ یہ کہنا چاہتی ہو تم؟" عدیل نے اس کے لہجے سے اخذ کرتے ہوئے سخت انداز میں کہا۔

"اس وقت اسے کچھ بھی کہنا بے کار ہو گا۔" عفت اجنبی سے عدیل کو دیکھ کر رہ گئی۔

"بھیجتی ہوں میں ابھی اسے۔" وہ سر ہلا کر مزید کچھ کہے بغیر باہر نکل گئی۔

اور عدیل کے پاس تو اب جیسے سوچنے کو بھی کچھ نہیں رہ گیا تھا۔ وہ خالی خالی سا بیٹھا سامنے کھڑکی سے باہر اندھیرے کی گود میں اترتی شام کو دیکھتا رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

"یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔ میرا تو بہت دل خوش ہوا ہے واثق۔ اس لیے کہ تمہیں اپنی جاب بھی پسند آ گئی ہے اور کام کرنا بھی اچھا لگ رہا ہے۔"

عاصمہ بہت خوش تھی۔ واثق کے چہرے پر بھی ایک ٹھہری ہوئی مسکراہٹ اس کے مطمئن ہونے کا اعلان کر رہی تھی۔

''اور میرے خیال میں پیکیج تو ہے ہی بہت اچھا۔'' عاصمہ نے خوش گوار لہجے میں آخری بات کی۔
''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ شہزاد اتنا ڈوکسڈ بزنس مین بن جائے گا۔ بہت محنتی اور کری ایٹو۔ مجھے بہت مزا آیا اس کے ساتھ کام کر کے۔ حالانکہ اسٹوڈنٹ تو وہ ایویں سا ہوتا تھا۔'' واثق کی ہمیشہ والی عادت کہ ہر بات عاصمہ سے شیئر کرنا۔
''ہوتا ہے۔ اکثر جو اسٹوڈنٹ بہت اچھے' ذہین طالب علم نہ ہوں مگر عملی زندگی میں ان کا رویّہ بالکل مختلف ہو۔'' عاصمہ سرہلا کر بولی۔
''افوہ بھئی! آپ دونوں کیا یہ بور باتیں کیے جا رہی ہیں آدھے گھنٹے سے۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ بھائی کو اتنی اچھی جاب مل گئی۔ دیٹس آل! اب کیا سارا وقت مسٹر شہزاد کو ہی یاد کرتے رہیں گے۔'' وردہ نے چائے ان کے آگے رکھتے ہوئے کوفت و بے زاری سے کہا تو عاصمہ اور واثق ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہنس پڑے۔
دونوں بہنوں کے چلے جانے کے بعد وردہ اب خود کو بہت اکیلا محسوس کرنے لگی تھی۔ یہ بات دونوں کو محسوس ہوئی تھی۔
''اچھا تو آپ بتا دیں ہم کیا باتیں کریں۔ مثلاً'' آپ کی اسٹڈیز کیسی جا رہی ہیں اور ایگزام..... '' واثق مسکرا کر چائے کا کپ اٹھا کر بولا۔
''فار گاڈ سیک بھائی! اس دنیا میں پڑھائی امتحان اور اس جیسے ڈرائی ٹاپک کے علاوہ بھی بہت سی اچھی اچھی چیزیں ہیں سوچنے کے لیے۔ بات کرنے کے لیے۔'' وہ بے اختیار اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر بولی وہ دونوں ہنس پڑے۔
''اچھا تو کون سی اچھی اچھی چیزیں اور باتیں ہیں ایسی جن پر ہم بات نہیں کرتے' آپ بتا دیجیے۔''
واثق سرہلا کر مزے سے بولا۔
''یہ بات!'' وہ جیسے منتظر تھی اس کی دعوت کی۔ فوراً'' ہی خوش ہو کر بولی۔
''مما..... ویسے جس طرح بھائی کو جاب مل گئی بقول آپ دونوں کے بہت شان دار' زبردست وغیرہ وغیرہ تو ایسے میں کسی بھی ماں کو اپنے خوبرو' ہینڈسم بیٹے کے لیے پہلا خیال بھلا کیا سوجھتا؟''
وہ ماں کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر شوخی سے بولی۔
عاصمہ نے کچھ نا سمجھی سے اسے دیکھا۔ واثق بھی کچھ چونکا تھا وہ کچھ سمجھ گیا تھا کہ وردہ کا اشارہ کس طرف ہے۔
''نہیں سمجھیں مما جان؟'' وہ پھر سے بولی۔
عاصمہ نے نفی میں سرہلا دیا۔
''افوہ! یہ بھی میں بتاؤں۔'' وہ جھلا کر بولی۔
''بھائی کے لیے بہت پیاری سی خوب صورت سی ان کے جیسی حسین و جمیل دلہن ہماری بھابھی اور آپ کی بہو..... کیا کہتی ہیں؟'' وہ خوب مزا لے کر بولی۔
عاصمہ نے بہت حیرانی سے واثق کی طرف دیکھا جس کے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔
''ارے یہ اتنی قریب کی اتنی اچھی بات مجھے کیوں نہیں سوجھی بھلا؟'' وہ حیرانی سے بولی۔
''تو پھر مانتی ہیں نا کہ آپ کی بیٹی کتنی جینئس ہے۔ صرف تعلیمی قابلیت ہی ذہانت کی علامت نہیں ہوتی۔ پریکٹیکل لائف میں اس طرح کی باتیں سوچنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔'' یہ وہ خود کو سراہتے ہوئے بولی۔
''جی یہ صرف' بہت ہی نکمے لوگوں کا مشغلہ ہے ورنہ ذہین لوگ تو ایسی فضول باتیں سوچ بھی نہیں سکتے۔'' واثق

نے اسے چھیڑا۔

"مما!" وہ چڑ کر بولی "ایک تو ان کے فائدے کی بات کر رہی ہوں اور یہ آگے سے مجھے نکما کہہ رہے ہیں تو بیٹھے رہیں پھر اس فضول سے شہزاد کی تعریفیں کرنے۔" وہ ناراضی سے اٹھ کر چلی گئی۔

"ارے بات تو سنو جینئس صاحبہ! رکو تو۔" واثق نے اسے پیچھے سے چھیڑا۔ وہ ان سنی کرتے چلی گئی۔

"ویسے واثق! وردہ نے بہت پتے کی بات کہی ہے۔ میرے دل کو بھی بہت لگی ہے یہ بات۔" عاصمہ بہت مگن سی مسکرا کر بولی۔

"افوہ، ماما! آپ بھی اس کے پیچھے چل پڑیں۔" واثق کچھ جھنجلا کر بولا۔

"چلوں گی تو میں ضرور اب تمہارے لیے پیاری سی من موہنی لڑکی دیکھنے۔" وہ اسی مسرور لہجے میں بولی۔

"یوں بھی اریبہ اور اریشہ کے جانے کے بعد گھر ایک دم سے خالی ہو گیا ہے۔ یہ وردہ تو کالج چلی جایا کرے گی تو میں بالکل گھر میں اکیلی اور تم تو ابھی سے شام گئے آنے لگے ہو۔" عاصمہ خود ہی سب کچھ سوچ کر بولی۔

"لیکن مما پلیز! ابھی نہیں۔ ابھی تو میری جاب سمجھیں اسٹارٹ بھی نہیں ہوئی۔ میں ابھی ان جھنجھٹوں میں نہیں پڑنا چاہتا رئیلی۔" وہ کچھ گھبرا کر بولا۔

"ابھی نہیں میری جان! لڑکی تلاشنے میں تو پھر بہت ٹائم لگے گا۔" عاصمہ نے جیسے اسے تسلی دی۔

"اب یہ تو نہیں کہ لڑکی سامنے پڑی ہے اور میں اسے اپنے شہزادے بیٹے کی دلہن بنا کر لے آؤں۔" عاصمہ کو اس نئی بات سے انوکھی سی توانائی ملی تھی۔ وہ اسی لائن پر چل پڑی۔

"پھر بھی مما! ابھی تو بالکل بھی نہیں۔ کم از کم چھ سات ماہ تو نہیں اور لڑکی تو...." وہ اپنی دھن میں کچھ بولتے بولتے رک سا گیا۔

"کوئی ہے تمہاری نظر میں.... آئی مین جو تمہیں پسند ہو۔" عاصمہ فوراً اس کی بات پکڑ کر بولی۔

واثق کچھ گڑبڑا سا گیا۔

"نہیں ایسا تو کچھ نہیں۔" وہ کچھ گھبرا سا گیا جیسے اس کی کوئی چوری پکڑی گئی ہو۔

"اگر ایسا ہو جائے واثق! تو میرے لیے یہ بہت خوشی اور سکون کی بات ہو گی۔ بھئی میری جوتیاں گھسنے سے بچ جائیں گی لڑکی کی تلاش میں۔ اگر تم خود یہ نیک کام کر لو تو۔" عاصمہ نے فوراً ہی کہہ ڈالا۔ واثق کچھ نہیں بولا تو عاصمہ بھی چائے پینے لگی۔

☆ ☆ ☆

"تو یہ کچھ پڑھ رہے ہو تم اسکول میں..... بولو۔" عدیل سخت غصے میں تھا۔

سامنے کھڑے لمبے تڑنگے دانی کو دیکھ کر گرج کر بولا اور ہاتھ میں پکڑی اس کی رپورٹ اٹھا کر اس نے دانی کے منہ پر ماردی۔

"میں پڑھنا نہیں چاہتا.... میرا دل نہیں لگتا اسٹڈیز میں۔" وہ بغیر ڈر خوف کے باپ کی آنکھوں میں دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

اور اندر آتی عفت وہیں ٹھٹھک کر رک گئی۔ وہ تو مثال کو کچھ طعنے مارنے جا رہی تھی کہ عدیل کی تیز آواز پر کچھ گھبرا کر ادھر آ گئی۔

بہت منتوں سے اس نے دانی کو باپ کے پاس راضی کر کے بھیجا تھا اور عدیل نے اسے بلا کر چیخ پکار شروع کر دی۔ وہ ناگواری سے اندر آئی اور دانی کی بات سن کر جیسے وہیں جم کر رہ گئی۔

یہ دانی کس وقت اتنا زیادہ بدل گیا۔ اسے پتا کیوں نہیں چلا.... وہ دل میں ڈر سی گئی اس کا بے خوف لہجہ سن کر۔

اچھا تو کیا کرنے کو دل کرتا ہے تمہارا۔ ذرا میں بھی تو سنوں۔" عدیل ابلتے غصے کو دبا کر بولا۔

"کچھ بھی نہیں۔" وہ اسی بے خوفی سے کندھے اچکا کر بولا۔ عدیل اسے دیکھتا رہ گیا۔ پھر کچھ محسوس کر کے آگے بڑھ کر کچھ سونگھتے ہوئے بولا "تم اسموکنگ کرنے لگے ہو۔" وہ پریشان لہجے میں اس سے پوچھ رہا تھا۔

"کبھی کبھار۔" وہ بغیر ڈرے خوف کھائے اعتراف کرتے ہوئے بولا۔

اور عدیل کو لگا جیسے دانیال کو وہ کھو چکا ہے۔ وہ چودہ پندرہ سال کا لڑکا اس سے بہت دور جا چکا ہے۔ وہ اسے خالی خالی نظروں سے دیکھتا رہ گیا۔ اس کے کندھے کچھ اور بھی جھکنے لگے تھے۔

"بیٹھو۔" بہت دیر بعد وہ شکست خوردہ لہجے میں بولا وہ — ٹانگ سے کرسی اپنے آگے کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اس کے انداز میں کچھ تھا۔ عدیل کو لگا اب اسے سمجھانے کا یا کچھ بھی کہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔

"کیا چاہتے ہو تم۔" وہ بہت دیر بعد اس سے بولا۔

☼ ☼ ☼

مثال ان کنگنوں کو ہاتھ میں لیے کمرے میں اندھیرا کیے گم صم سی بیٹھی تھی۔

اس نے بشریٰ کی کلائیوں میں یہ کنگن دیکھے تھے۔ جب تک وہ اس گھر میں پاپا کی بیوی بن کر رہی تھیں۔ بعد میں اس نے یہ کنگن بشریٰ کے پاس کبھی نہیں دیکھے۔ اس نے گہرا سانس لے کر اس پھولے ہوئے لفافے کو دیکھا جس میں یقیناً" رقم تھی.... کتنی؟

مثال چاہتے ہوئے بھی نہیں گن سکی تھی۔

تو بشریٰ نے اس طرح ایک ماں ہونے کا حق ادا کرنے کی کوشش کی تھی؟

یہ دو کنگن سونے کے اور یہ روپوں کا لفافہ!

بس یہی قیمت تھی مثال کی اس کی ماما کے نزدیک۔ اس کا جی چاہ رہا تھا ان دونوں چیزوں کو آگ لگا دے۔

"میں یہ پاپا کو دے آتی ہوں میں اس کو نہیں سنبھال سکتی۔" اس نے تیزی سے آنکھیں پونچھیں اور دونوں چیزیں سمیٹ کر جانے لگی۔

"تو تمہاری ماں آئی تھی تم سے ملنے آپی؟" پری اس کے سامنے دروازے میں کھڑی تھی۔

عفت اور پری دروازے میں کھڑے ہو کر ہی اس سے بات کرتی تھیں۔ جیسے اندر کمرے میں کچھ تھا انہیں خوفزدہ کرنے کے لیے۔

مثال نے پھیلے ہوئے دوپٹے کو کچھ اور پھیلاتے ہوئے دونوں ہاتھ پشت سے پیچھے باندھ لیے۔ پری وہ دونوں چیزیں نہیں دیکھ سکی تھی۔

"تمہیں ملنا تھا میری ماما سے؟" وہ نارمل لہجے میں بولی۔

"تم نے نہیں ملایا تو مجھے لگا' خود سے آؤں گی تو شاید ان محترمہ کو بھی اچھا نہ لگے۔ ظاہر ہے تم ماں بیٹی میں بہت راز و نیاز کی باتیں ہوں گی۔ آئی مین کچھ سیکریٹس' جو شاید میرے سامنے نہ کہے جا سکتے ہوں۔"

پری چند ہی دنوں میں مثال کو اپنی عمر سے بہت بڑی بڑی لگنے لگی تھی۔

"تم آجاتیں میں ملوا دیتی۔" وہ سادگی سے بولی۔

"وہ پاپا سے بھی ملی ہیں نا؟" وہ متجسس لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

مثال نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"مما بتاتی ہیں دونوں میں بہت محبت تھی کبھی۔" وہ عجیب چبھتے ہوئے لہجے میں بول رہی تھی۔

مثال کو اس کی بات بہت بری لگی۔

"بہتر ہے تم یہ ساری باتیں جا کر اپنی ماما سے ہی پوچھ لو کیونکہ وہ زیادہ جانتی ہیں اس بارے میں۔ مجھے کچھ نہیں معلوم۔" وہ رکھائی سے کہہ کر اسے جیسے جانے کا اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"جھگڑے ہوتے تھے بہت دونوں میں سنا ہے 'دادو بتایا کرتی تھیں کہ تمہارے لیے دونوں میں بہت لڑائیاں ہوئیں۔ سارا محلہ گواہ ہے پھر وہ کیسے آج تمہیں ہمیشہ کے لیے یہاں چھوڑ کر چلی گئیں۔ بس یہی تھی اس عورت کی دکھاوے کی محبت؟" وہ کڑوے کسیلے انداز میں کہہ رہی تھی۔

اف یہ پری کمینی.... مثال کا جی چاہا آگے بڑھ کر اس کا منہ نوچ لے۔

"تمہیں اگر کچھ اور نہیں کہنا تو تم جا سکتی ہو کیونکہ مجھے پڑھنا ہے۔ کل میرا بہت امپورٹنٹ ٹیسٹ ہے۔" اس نے کہہ کر تقریباً "پری کو دہلیز سے پرے دھکیل کر ایک دم سے کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ پری باہر کھڑی چیخ رہی تھی اور مثال جیسے اتنی دیر سے باندھا ضبط خود پہ کھو بیٹھی۔ دونوں ہاتھ منہ پہ رکھے وہ بے اختیار روتی چلی گئی۔ جانے یہ آنسو بشریٰ کے چلے جانے کے تھے۔ اپنی بے وقعتی کے یا پری کی دل جلانے والی باتوں سے ہرٹ ہو کر وہ رو رہی تھی یا اپنے اکیلے پن کے لیے.....

وہ سمجھ نہیں سکی مگر روتی چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

"کیا.....؟" عدیل کے لیے دانی کی بات بالکل غیر متوقع تھی۔

وہ شاکڈ سا ہو کر بولا۔ دانی کے چہرے کے تاثرات ہنوز ویسے ہی تھے۔ عدیل اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

عفت نے بھی خود کو سہارا دینے کے لیے دیوار سے ٹیک لگائی۔

"تم یہاں نہیں پڑھ پا رہے اور تم کہہ رہے ہو تم باہر جا کر پڑھنا چاہتے ہو۔ ابھی تم نے کہا کہ تم پڑھنا ہی نہیں چاہتے تو پھر باہر جانے کا مطلب؟" عدیل کو ٹھیک ٹھاک غصہ آگیا تھا وہ پھر بھی خود پر بہت ضبط کرتے ہوئے بولا۔

"میں باہر جا کر پڑھ لوں گا۔ آئی پرامس۔" دانیال نے یوں مزے سے کہا جیسے "باہر۔" تو ساتھ والی گلی میں پڑا ہو۔

عدیل نے خود کو بہت سخت گالی دینے سے روکا۔

کچھ دیر کے لیے کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

"کیسے پڑھو گے باہر جا کر' ابھی تو تم او لیول میں اٹکے ہوئے ہو۔ یہ کلیئر کر لو۔ اے لیول ہوتے ہی جہاں تم کہو گے بھجوا دوں گا۔" عدیل نے کچھ دیر بعد خود کو کمپوز کر کے قدرے نرم لہجے میں کہا۔

شاید وہ کسی غلط صحبت میں پڑ کر رستے سے بھٹک رہا تھا۔ عدیل کو لگا یہاں بھی غلطی اس کی ہے۔ اسے کچھ تو ٹائم بہر حال بیٹے کو بھی دینا چاہیے تھا۔

وہ کئی مہینوں بعد اسے یوں اپنے کمرے میں اکیلا لے کر بیٹھا تھا۔ کہیں نہ کہیں کوتاہی تو بہر حال اس سے بھی ہوئی تھی بلکہ شاید زیادہ غفلت اس کی طرف سے ہوئی تھی۔

"میں نے کہا ناں میں یہاں نہیں پڑھنا چاہتا۔ مجھے آپ لندن بھجوا دیں۔ میں آپ کو شرمندہ نہیں ہونے دوں گا۔ آئی مین! خوب جی لگا کر پڑھوں گا جیسا آپ چاہتے ہیں۔" وہ ایک دم سے ٹون بدل کر سعادت مند لہجے میں بولا۔

عدیل اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"مجھے کل ہی اس کے اسکول جا کر اس کے دوستوں کے بارے میں معلومات کرنا ہوں گی۔" عدیل اسے دیکھتے

ہوئے دل میں فیصلہ کر رہا تھا۔
"دانی! میں نے پرامس کیا ناں تم سے کہ جہاں کہو گے بھجوا دوں گا۔ ایٹ لیسٹ تمہیں اولیول تو کرنا ہو گا۔ تمہارے ڈاکومنٹس بنوانے میں کچھ ٹائم تو لگے گا۔ تمہیں خود کو پروف کرنے کے لیے یہاں اولیول مکمل کرنا ہو گا۔" وہ خود کو سمجھا چکا تھا کہ اب اسے دانی سے غصے میں بات نہیں کرنی' سو نرم لہجے میں کہا۔
"پاپا! ڈاکومنٹس کا مسئلہ نہیں۔ میرے دوست کے فادر ویزا آفس میں کام کرتے ہیں۔ بہت جلد وہ میرے ڈاکومنٹس بنا دیں گے۔ اگر آپ ان سے کہیں گے تو۔" وہ جوش بھرے لہجے میں فوراً" ہی بولا۔
عدیل اسے بغور دیکھتا رہ گیا۔
اس بات کے پیچھے کیا مقصد ہے اسے معلوم کرنا تھا' اس نے پل میں طے کیا۔
"اوکے۔ میں کل آفس سے آتا ہوں تو تم مجھے اپنے فرینڈ کے فادر سے ملوا دو۔ میں ان سے بات کروں گا' جو وہ کہیں گے میں انہیں اتنی رقم دے دوں گا اوکے!"
"رئیلی پاپا! آپ ایسا کریں گے؟" وہ بے یقینی سے بولا۔
"آف کورس مائی سن! تمہارے ایگزام میں صرف تین ماہ ہیں۔ کل سے میں تمہارے لیے ٹیوٹر کا ارینج گھر میں کر رہا ہوں۔ وہ تمہیں گھر آکر پڑھایا کریں گے۔ اب آپ اکیڈمی نہیں جاؤ گے۔ جیسے ہی آپ کے ایگزام ختم ہوتے ہیں۔ میں آپ کو لندن بھجوا دوں گا۔ آپ کے ڈاکومنٹس بھی تو بن جائیں گے اس دوران۔ ہے نا۔" وہ اب کے دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا تو دانیال نے پہلی بار بچوں کی سی مسکراہٹ کے ساتھ باپ کی طرف دیکھ کر سر ہلایا۔
"ویل اینڈ گڈ تو کل آپ ٹیچر سے گھر میں پڑھیں گے۔" اس نے کنفرم کرنے کے لیے پھر سے بات کی۔
"اکیڈمی بھی ٹھیک ہے پاپا!" وہ کچھ متذبذب ہو کر بولا۔
"آئی نو جان! لیکن آپ کی رپورٹ جیسی آئی ہے' آپ کو اب اسپیشل اٹین شن کی ضرورت ہے۔ وہ صرف گھر پر آنے والے ٹیوٹر ہی دے سکیں گے۔ آپ سمجھ رہے ہیں نا؟"
کچھ دیر پہلے والی تلخی اور بے یقینی ختم نہیں بھی ہوئی تھی تو کم ضرور ہو چکی تھی۔
عفت کو لگا جیسے اس کے کمزور پڑتے جسم و جاں میں کسی نے نئی روح پھونک دی ہو۔
بشریٰ اور مثال کتنی ہی عدیل پسندیدہ رہ چکی ہوں لیکن وہ دونوں اب ماضی کا قصہ ہیں۔ عدیل کا حال' اس کا مستقبل بہرحال دانی تھا۔ پری اور عفت یقیناً! وہ ایک دم سے مطمئن ہو گئی۔
جس خاموشی سے وہ کھلے دروازے سے کمرے کے اندر آئی تھی' اسی خاموشی سے باہر نکل گئی۔
عدیل ابھی بھی دانی سے باتیں کر رہا تھا مگر اب اسے کوئی ٹینشن نہیں تھی۔

☆ ☆ ☆
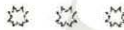
"نہیں ابھی جلدی ہے' بہت جلدی۔ مجھے جلد بازی نہیں کرنا چاہیے ان کو یہ سب بتانے میں' پھر پتا نہیں مثال۔۔۔۔ وہ مجھے پسند بھی کرتی ہے یا نہیں۔"
وہ لیپ ٹاپ پہ کام کر رہا تھا مگر اس کی ذہنی رو بار بار بھٹک کر وہ کے شام کے چھوڑے ہوئے شوشے کی طرف جا رہی تھی۔
مگر وہ اسے ناپسند بھی نہیں کرتی۔ یہ تو اسے معلوم تھا۔ اس نے تصور میں ہی اس کا صبیح چہرہ لبوں پر مسکراہٹ لاتے ہوئے سوچا۔
"اور امی سے بات کرنے سے پہلے مجھے مثال کو اعتماد میں لینا ہو گا۔ اس سے اس کی رائے معلوم کرنا ہو گی۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے وہ کسی اور میں انوالو ہو۔" دل شکن خیال۔

"نہیں' ایسا نہیں ہو سکتا۔"

"مے بی وہ کہیں انگیجڈ ہو۔" دوسرا تکلیف دہ خیال!

"نہیں! میرے دل کو یقین ہے۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ لڑکی اس کی بے ریا آنکھیں تو کوئی اور ہی کہانی کہتی ہیں۔ جیسے اس کی توقعات کے آئینے کو کسی نے بہت بُری طرح سے کرچی کرچی کیا ہو۔

جیسے وہ اس بھرے جہان میں بالکل اکیلی ہو.... میں جب بھی اس سے ملا وہ اکیلی اور تنہا ہی تو تھی....

"مجھے پھر اس سے ملنا چاہیے۔ اگر میرے پاس اس کا سیل نمبر ہوتا تو میں ابھی.... ابھی میرا کتنا جی چاہ رہا ہے' میں اس سے بات کروں اس کی آواز سنوں.... اس کو دیکھوں۔" وہ بے چین ہو کر کھڑا ہو گیا۔

اس کی الماری کے لاکر میں وہ ادھورے اسکیچز پڑے تھے' جو وہ دو تین سال پہلے اسے دور سے دیکھ کر بناتا رہا تھا۔ اس نے الماری کھول کر انہیں دیکھنا شروع کر دیا۔

مگر تھوڑی دیر میں بے چین ہو کر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

"نہیں.... کچھ بھی نہیں۔ ایسا کچھ بھی نہیں کہا ماما نے مجھ سے۔" وہ سر جھکا کر آہستگی سے بولی۔

عدیل اسے دیکھ کر رہ گیا۔

وہ سر جھکائے اسی پلنگ کے کنارے پہ بیٹھی تھی' جہاں زندگی کے آخری کئی سال نسیم بیگم نے تنہائی اور اکیلے پن میں گزارے تھے۔

ان دنوں عفت اور بچوں کی مصروفیت بہت بڑھی ہوتی تھیں اور وہ چاہتے ہوئے بھی نسیم بیگم سے کئی کئی دن ملنے کے لیے نہیں آپاتا تھا۔ بس دروازے میں ہی رک کر ماں کا حال احوال پوچھ کر زیادہ سے زیادہ دواؤں کے نسخے لے کر باہر سے نکل جاتا۔

کاش وہ دن لوٹ آتے اور وہ کچھ دیر کے لیے ماں کے پاس ساری دنیا کے غم بھلا کر بیٹھ سکتا۔

"تو پھر کیا کہا تمہاری ماں نے تم سے؟" بہت دیر بعد جب اس کی مسلسل خاموشی پہ مثال نے بے چین ہو کر اسے دیکھنا شروع کیا تھا' سر اٹھا کر کہا۔

"کچھ بھی نہیں پاپا! صرف ملنے آئی تھیں۔" وہ شرمسار سے لہجے میں بولی۔

جیسے اس میں بھی مثال کی غلطی ہو کہ بشریٰ بے وجہ اس سے ملنے کیوں آئی تھی۔

"اور آنے کا بھی کچھ نہیں بتایا؟" وہ مدھم لہجے میں سرسرایا۔ مثال نے نفی میں سر ہلا دیا۔

دونوں پھر خاموش ہو گئے۔

"یہاں رہو گی تم اس کمرے میں۔" وہ ذرا دیر بعد پھر سے بولا اور بولتے ہی اسے جیسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

"ہاں اچھا ہے۔ یہ کمرا بھی برا نہیں صرف رات میں آکر سونا ہی تو ہوتا ہے تم نے یہاں.... دن میں تو باقی گھر میں ہی ہوتی ہو۔" وہ پتا نہیں اسے سمجھا رہا تھا یا تسلی دے رہا تھا۔

"پاپا! آپ سے ایک بات پوچھنا تھی مجھے۔" وہ ذرا دیر بعد ہمت کر کے بولی۔

عدیل نے کچھ پریشان نظروں سے اسے دیکھا۔ جانے کیوں عدیل کو لگ رہا تھا آج کل اس کے دن اچھے نہیں چل رہے۔ نہ آفس میں نہ گھر میں نہ ذاتی زندگی میں۔ کہیں بھی اچھی خوشی یا سکون کی کوئی خبر نہیں۔

"پاپا! میں کالج سے آنے کے بعد شام میں گھر کے کام کرنے کے بعد بھی دو تین گھنٹے فارغ ہوتی ہوں۔" وہ اٹک کر بولی۔

عدیل نے اسے کچھ ناگواری سے دیکھا۔

"میری ایک فرینڈ ایک اکیڈمی میں شام میں پڑھاتی ہے۔وہ چاہتی ہے کہ میں بھی اکیڈمی جوائن کرلوں۔ایک تو ٹائم اچھا اسپینڈ ہو جائے گا۔ کچھ تجربہ ہو جائے گا اور تھوڑی انکم ہو جائے گی۔ آئی مین پاکٹ منی.... اگر آپ مجھے پرمیشن دیں تو۔"

لیکن اسے عدیل کا چہرہ دیکھ کر بات ادھوری چھوڑنا پڑی۔اس کے چہرے پر سرخی اور جذباتی پن تھا۔

"کیا جتانا چاہتی ہو تم مجھ پر اپنی ماں کی طرح کہ میں ایک بہت غیر ذمہ دار شخص ہوں۔ساری فیملی کا بوجھ تو اٹھا سکتا ہوں صرف تمہارا نہیں اٹھا سکتا۔یہ کہنا چاہتی ہو تم مثال؟" وہ ساری شام جس تکلیف اور کرب سے گزرا تھا۔اس کا کتھارسس اسے ان ہی لمحوں میں ہوتا نظر آیا۔

"یہی.... یہی تمہاری ماں تمہیں سمجھانے آئی تھی کہ جی بھر کر اس شخص کو ذلیل کرنا اور ستانا کہ وہ جو بدلے مجھ سے نہ لے سکی' وہ تم لینا اس سے۔اب میں سمجھا ہوں وہ کیوں تمہیں مستقل میرے پاس چھوڑ کر گئی ہے۔صرف اس لیے کہ تم مجھے مسلسل ٹارچر کرتی رہو۔" وہ طیش میں بولتا چلا گیا۔

مثال آنکھوں میں نمی لیے بے یقین نظروں سے باپ کو دیکھتی رہ گئی۔

"آج تم نے یہ بے ہودہ بات کی ہے۔ آئندہ میں تمہارے منہ سے نہیں سنوں۔" وہ کھڑے ہو کر کڑے تیور سے بولا۔

مثال سہم کر اثبات میں سر ہلانے لگی۔

وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

مثال یک ٹک باپ کو جاتا دیکھتی رہی۔

"تو اس لیے ماما مجھے یہاں چھوڑ کر گئیں کہ مجھے جو پاپا پہ اندھا اعتماد اور بھروسا ہے میں اس کا بھی اصل چہرہ دیکھ لوں۔" اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکا۔

"لیکن صرف میرے ساتھ ہی کیوں یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔میں نے تو ان دونوں میں علیحدگی نہیں کروائی تھی۔ میری وجہ سے تو ان دونوں کی زندگیاں مشکل میں نہیں' پھر یہ دونوں میرے ساتھ ہی ایسا سلوک کیوں کرتے ہیں اور کبھی مجھے کیوں لگتا ہے کہ یہ دونوں میرے اصلی پیرنٹس نہیں ہیں۔" اس کے اندر جوار بھاٹا سلگنے لگا تھا کچھ اس شدت سے کہ اسے خود پر ضبط کرنا مشکل ہو گیا۔

"ماما چلی گئیں اپنی جان چھڑا کر' اپنا دوسرا گھر بچا کر۔میری وجہ سے ان کا گھر دوسری بار ٹوٹنے لگا تھا۔اور پاپا کو بھی شاید یہی ٹینشن ہے کہ میں اب یہاں آگئی ہوں تو ان کی مسز' ان کے بچے مجھے برداشت نہیں کریں گے۔ان کے گھر کا سکون تباہ ہو جائے گا۔سب کچھ جو اتنے سالوں میں انہوں نے بنایا جوڑا' فقط میری وجہ سے برباد ہو جائے گا۔

یہی غصہ پاپا مجھ پر نکال رہے ہیں.... کیوں ہوں میں دونوں کے لیے ایک مسلسل عذاب ایک مسلسل اذیت کا باعث۔دنیا میں آنے میں تو میرا اختیار نہیں تھا مگر یہاں رہنا اور رہتے چلے جانا ذلت اور لگاتار اذیت سہنا کیوں برداشت کروں میں۔

اور یہ سب کرنے سے بھی مجھے کیا ملے گا۔نہ ان کی شاباشی نہ ان کی محبت نہ ان کا ساتھ۔اور پاپا ان کی نظروں میں ان دو دنوں میں جتنی اجنبیت میں نے دیکھی ہے' انہیں اس بات سے کچھ فرق نہیں پڑے گا کہ میں زندہ

رہوں یا مرجاؤں۔" وہ خود اذیتی کی انتہا پر تھی۔
اس نے ہاتھ کی پشت سے اپنا چہرہ اور آنکھیں رگڑیں۔ پیروں میں چپلیں اڑسیں اور کسی بھی طرف دیکھے بغیر وہ تیزی سے گھر کے صحن اور بیرونی حصے سے گزرتی کھلے گیٹ سے باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

"آپ سو گئے ہیں عدیل؟" عفت۔ عدیل کے لیے گرم دودھ کا گلاس لے کر اندر آئی تو وہ کروٹ لیے شاید سو رہا تھا۔
"ہوں.... نہیں۔" وہ اسی طرح کروٹ لیے ہوئے بولا۔
"یہ دودھ لائی تھی آپ کے لیے گرم ہے پی لیجئے۔" اسے لگا کہ عدیل آج بہت تھکا ہوا ہے۔ کھانا بھی اس نے دو چار لقموں میں ہی ختم کر دیا تھا۔
دانی والا معاملہ جس طرح عدیل نے ہینڈل کیا تھا۔ عفت کو بہت دنوں بعد عدیل پہ پیار آیا تھا۔
"رکھ دو' ابھی جی نہیں چاہ رہا۔" وہ اسی طرح کروٹ کے بل لیٹا رہا۔ وہ گلاس ایک طرف رکھ کر یونہی کھڑی رہی۔

"میں مین گیٹ لاک کر آؤں اور دیکھوں بچے سوئے یا نہیں۔" وہ کچھ دیر بعد کہہ کر باہر نکل گئی۔ عدیل اسی طرح لیٹا رہا۔ وہ مثال کے کمرے کے پاس آکر ٹھٹک کر رک گئی۔

کمرا خالی تھا۔ ملحقہ باتھ روم کا دروازہ بھی کھلا تھا۔
"مثال!" عفت نے پکارا۔
جواب میں خاموشی تھی۔
عفت کے دل میں عجیب سا وسوسہ آیا۔
وہ تیزی سے پلٹی اور اگلے پانچ منٹوں میں اس نے گھر کی چھت سمیت ہر جگہ دیکھ لی۔ مثال کہیں بھی نہیں تھی۔
"میرے خدا! تو یہ لڑکی بھاگ گئی.... حرام خور ماں جیسی خصلت۔ ضرور کسی کے ساتھ لگا رکھی ہوگی' اسی لیے تو ماں یہاں پھینک گئی اور اب سر پر الزام لگے گا کہ سوتیلی ماں کی وجہ سے نکل گئی کہیں منحوس!"
عفت کو سخت غصہ آرہا تھا۔
"عدیل.... مثال پورے گھر میں نہیں ہے۔ میں سارے میں دیکھ آئی ہوں۔ آپ دیکھیں اٹھ کر۔" وہ اندر آکر گھبرائی ہوئی آواز میں بولی۔
عدیل کو جیسے ہزار والٹ کا کرنٹ لگا تھا۔ وہ ایک ہی جست میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔
"کیا بکواس کر رہی ہو؟" وہ عفت کو غصے سے دیکھ کر چلایا۔ عفت کچھ بھی نہ بول سکی۔ عدیل کے چہرے پر سخت تشویش کی کیفیت تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)